قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کا چوہترواں سال

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

اپریل 2017ء

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

حضور ﷺ نے فرمایا:

لاتکتبوا عنّی غیر القراٰن و من کتب عنی غیر القراٰن فلیمحہٗ۔۔۔

(جامع ترمذی، اُردو، جلد دوم، صفحہ: 141، مطبوعہ دارالاشاعت، اُردو بازار، کراچی)

مجھ سے قُرآن کے علاوہ اور کوئی چیز نہ لکھو، جس نے قرآن کے علاوہ اور کوئی چیز لکھی ہوا سے مٹا دے۔

سوچا کرو: ایک فکر انگیز مقالہ، صفحہ نمبر: 10 پر ملاحظہ کریں

QUR'AN IN ITS OWN LIGHT

1. It is a code of life, and removes all doubts of all kinds (2:2).
2. Everything which was revealed to *Rasool-Allah* (peace be upon him) is in the *Qur'an* (6:19).
3. Muslims are ordered to obey this book and not to obey anything else (7:3).
4. *Rasool-Allah* (peace be upon him) was also ordered to follow this Book (10:109).
5. *Rasool-Allah* (peace be upon him) used to take decisions according to the *Qur'an* (5:48).
6. Those who do not decide their affairs according to the *Qur'an*, are the ones who are *K'afireen* (5:44).
7. The *Qur'an* contains the complete and final revelation and no one is authorised to make any change in it (6:34, 6:116).
8. The *Qur'an* confirms and preserves the earlier revelations (5:48).
9. There is nothing contradictory in it (4:82).
10. All the differences can be resolved only by following the guidance contained in this Book (42:10).
11. What-ever is revealed in it, has also been explained in it (75:19)-- that is why it is called as an exposition of everything.
12. This has been done in varied ways, generally by repeating the verses *(Tasreef-al-Ay'at)* (60:106, 17:41).
13. *Rasool-Allah* (peace be upon him) used to explain/clear every disputed/doubtful thing with the help of The *Qur'an* (16:64).
14. The *Qur'an itself is light (5:15) and has been revealed so that*

بقیہ صفحہ نمبر 66 پر

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور
اپریل 2017ء

جلد 70 | شمارہ نمبر 04

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
پیام اقبال	ادارہ	4
سوچا کرو	غلام احمد پرویزؒ	10
اسلامی حکومت کا سرسری نقشہ (قسط نمبر 18)	ملک منظور حسین لیل	20
دوقومی قرآنی نظریہ پر مطالبہ پاکستان (قسط دوم)	ڈاکٹر انعام الحق	31
قانون سے استثناء	خواجہ ازہر عباس	43
بول چال کے آداب	عارف محمود کسانہ	50

ENGLISH SECTION

Manzil ba Manzil **(منزل بہ منزل) Chapter 3: Spring's Message**
(*Payam-e Fasl-e Bahar* پیام فصل بہار) – Message to Fellow-Ambassadors
(Tulu-e-Islam Convention, November, 1959) **(Episode-4)**
By G. A. Parwez (Translated by: M. Alam) **54**

ناشر و چیئرمین: محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر منظور الحق
خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِ تعاون:
50 روپے فی پرچہ
پاکستان: 550 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 800 روپے سالانہ
بیرونِ ملک: 2500 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 5000 روپے سالانہ

Bank Account Idara Tolu-e-Islam
National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulbarg Lahore
For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465-22-003082-7
For International Transactions
IBAN: Pk21 NBPA 0465 0022 0003 0827
Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام
25-B گلبرگ 2، لاہور
54660 (پاکستان)
Phone: 042-35714546 , Cell: 0321-4460787
idarati@gmail.com
www.facebook.com/Talueislam

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر 25-B، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کرسکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا!
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت، پادشاہی، علم اشیا کی جہاں گیری
یہ سب کیا ہیں، فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں
براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں
تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیّت ہے
حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
حقیقت ایک ہے ہر شے کی، خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے
دلِ گرمے، نگاہِ پاک بینے، جانِ بیتابے

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملعات

پیامِ اقبالؒ

تاریخ انسانیت میں دو انقلاب بڑے عظیم ہیں۔ پہلا انقلاب' انسانی راہنمائی کے لئے حضرات انبیاء کرامؑ کی بعثت تھی۔ زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے انسان کو عقل وفکر کی صلاحیت سے نوازا گیا تھا' لیکن زندگی کے ابدی حقائق کا دریافت کر لینا اس کے بس کی بات نہ تھی اس کے لئے آئینِ فطرت میں استثناء کیا گیا اور ان حقائق کا انکشاف وحی کے ذریعے کیا گیا۔ وحیٔ حاملِ وحی کی فکری تخلیق نہیں تھی۔ اسے یہ علم' خدا کی طرف سے براہ راست عطا ہوتا تھا۔

پھر' نبی کا منصب اتنا ہی نہیں تھا کہ وہ خدا کی طرف سے یہ علم پاتا تھا یا اس علم کو دوسروں تک پہنچا دیتا تھا اور بس۔ وہ اس علم کی روشنی میں انسانوں کی راہنمائی کرتا تھا' ان کے معاملات کو سلجھاتا تھا۔ انہیں مل جل کر رہنے سہنے کے طور طریق سکھاتا تھا۔ راہنمائی کا یہ طریق' انسانی دنیا میں پہلا انقلابِ عظیم تھا۔

اور دوسرا انقلاب ختم نبوت تھا۔ انسانی زندگی کے لئے جس قدر اصولی ہدایات کی ضرورت تھی اسے مکمل اور غیر متبدل شکل میں عطا کر دیا گیا اور اس ضابطۂ ہدایت کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے اپنے اوپر لے لیا۔ انسانوں کو خدا کی طرف سے براہ راست جو علم ملنا تھا' وہ آخری مرتبہ مل گیا۔ اس کے بعد' اس ذریعۂ علم کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا۔۔ باقی رہا نبی کا دوسرا فریضہ۔ یعنی آسمانی ہدایت کی روشنی میں انسانوں کی حیات اجتماعیہ کی تشکیل اور ان کے معاملاتِ زندگی کا حل۔ سو یہ فریضہ اس امت کے سپرد کر دیا گیا جسے قرآن نے ''خیر امت'' کہہ کر پکارا' اور اسے ''وارثِ کتاب'' قرار دیا۔ یعنی اب اصولی طور پر انسانی راہنمائی کے لئے' خدا کی مکمل' غیر متبدل' محفوظ کتاب (قرآن کریم) اور اس کی روشنی میں عقل وفکر اور علم وبصیرت کو کافی قرار دے دیا گیا اور زندگی کے عملی نظام کی ذمہ داری اس امت کے سپرد کر دی گئی جسے کہہ دیا گیا کہ اپنے معاملاتِ حیات (اس کتاب عظیم کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے) باہمی مشورہ سے طے کر لیا کرو۔ بالفاظِ دیگر' ختم نبوت کا عملی مفہوم یہ تھا کہ اب انسان' انفرادی اتھارٹی سے بے نیاز ہو گیا اور اشخاص کے بجائے امتوں کا زمانہ آ گیا۔ تاریخ انسانیت میں یہ انقلاب بھی بڑا عظیم انقلاب تھا۔ اس سے انسانیت ایک نئے دور میں داخل ہو گئی۔

رسول اللہ ﷺ کی حیات ارضی کے بعد' امت نے اس نظام کو قائم رکھا جس کی بنیاد نبی اکرم ﷺ کے مقدس ہاتھوں سے رکھی گئی تھی۔ آپ دیکھیں گے کہ جب تک وہ نظام قائم رہا' امت کے پاس ایک ہی کتاب تھی (یعنی قرآن کریم)۔ کوئی

اور کتاب نہیں تھی جس کی طرف راہنمائی کے لئے رجوع کیا جائے۔ اس کا ایک ہی نظام تھا جس کے فیصلے ہر ایک کے لئے واجب التسلیم تھے اور امت' امت واحدہ تھی۔ اس میں کوئی فرقہ نہیں تھا' کوئی پارٹی نہیں تھی۔ اس کے بعد جب اس نظام کا شیرازہ بکھر گیا تو امت کی مرکزیت ختم ہوگئی۔ اب ایک اتھارٹی کی جگہ متعدد اتھارٹیز وجود میں آ گئیں۔ ایک کتاب کی جگہ متعدد کتابوں نے لے لی اور امت کے بجائے متعدد فرقے ظہور میں آ گئے۔ رفتہ رفتہ' خدا کی کتاب عظیم' محض تلاوت بغرض حصول ثواب باقی رہ گئی اور اسلام' دین (نظام حیات) کے بجائے مذہب بن گیا۔۔ انفرادیت' ملوکیت' مذہبی پیشوائیت' رہبانیت' قارونیت' سب اسی شجرۃ الزقوم کے برگ و بار ہیں۔ اگر آسمانی سلسلۂ رشد و ہدایت کے پروگرام کا آغاز اور اس کا اختتام' انسانی تاریخ کے عظیم انقلابات تھے' تو اسلام میں یہ تغیر بھی کچھ کم تحیر انگیز نہیں تھا۔ اس تغیر سے امت مسلمہ اسی مقام پر پہنچ گئی جس مقام پر' بعثت محمدیہ ﷺ کے وقت' سابقہ اہل کتاب پہنچ چکے تھے۔ سابقہ اہل کتاب کو اس حالت سے نکالنے کے لئے' نبی آ جاتا تھا لیکن اس امت کے لئے یہ صورت بھی باقی نہیں رہی تھی۔ باب نبوت بند ہو چکا تھا لیکن سابقہ امتوں اور اس امت میں فرق یہ تھا کہ اس امت کے پاس خدا کی کتاب اپنی اصلی اور غیر محرف شکل میں موجود تھی اس لئے اسے کسی نبی کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے لئے کرنے کا کام یہ تھا کہ یہ خدا کی اس کتاب کو وہی مقام دے دیں جو اس کا حقیقی مقام تھا۔ یعنی معاملاتِ حیات میں اسے آخری سند و حجت قرار دے دیں اور اس کے مطابق' اپنا نظامِ زندگی متشکل کر لیں۔ یہ اس امت کے اپنے کرنے کا کام تھا۔ اس کے لئے اسے کسی خارجی سہارے کی ضرورت نہیں تھی۔

اقبالؔ کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے امت کی توجہ اس فراموش کردہ حقیقت کی طرف مبذول کرائی اور اسے قرآن کے صحیح مقام سے آشنا کرایا۔ آپ ان کے کلام کا اس زاویۂ نگاہ سے مطالعہ کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ شروع سے اخیر تک اس پیغام کو دہرائے چلے جاتے ہیں۔ یعنی' قرآن' نظام' مرکزیت' اجتماعیت' وحدتِ امت' حتیٰ کہ وحدتِ انسانیت۔۔ ان کے کلام کا آغاز مثنوی اسرار و رموز سے ہوتا ہے۔ وہ اس میں درخشندہ الفاظ میں لکھتے ہیں ؎

تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست — زیرِ گردوں سرِ تمکین تو چیست
آں کتابِ زندۂ قرآنِ حکیم — حکمتِ اُولا یزال است و قدیم

اور اس کے بعد اس کتابِ عظیم کی عظمت و رفعت اس انداز سے سامنے لاتے ہیں کہ انسان کی روح وجد میں آ جاتی ہے۔ اقبالؔ شناس حضرات کی طرف سے یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ فکرِ اقبالؔ کا سرچشمہ کیا تھا۔ اس سوال کا جواب اقبالؔ نے خود (اس مثنوی کے آخر میں) اس دعا کی تشکیل میں دے دیا تھا جس سے زیادہ اثر انگیز دعا شاید ہی کوئی اور ہو۔ اس میں انہوں نے کہا تھا کہ ؎

گر دلم آئینۂ بے جوہر است — ور بحرفم غیر قرآں مضمر است
تو۔۔۔ روز محشر خوار و رسوا کن مرا — بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا

اور۔۔۔ گر دُرِ اسرار قرآں سفتہ ام با مسلماناں اگر حق گفتہ ام
تو۔۔۔ درعمل پائندہ تر گرداں مرا آبِ نیسانم گہر گرداں مرا

اور اس حسین آغاز کے بعد، وہ تمام عمر، امت کی توجہ اسی کتابِ عظیم کی طرف مبذول کراتے رہے۔ فکرِ اقبالؔ کے کئی گوشے ایسے ہیں جن سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ ایسے مقامات بھی ہیں جہاں ان کے پیش کردہ نکات میں تضاد بھی پایا جاتا ہے کہ ان کی فکر بالآخر ایک انسان کی فکر تھی جس میں سہو و خطا بھی ہوتا ہے اور بالیدگی وارتقاء بھی۔ لیکن جو کچھ انہوں نے قرآن کے متعلق کہا ہے اس میں نہ گنجائشِ اختلاف ہے نہ شائبہ تضاد۔ ایک ہی پیغام ہے جسے وہ مختلف انداز سے دہراتے چلے جاتے ہیں۔ کہیں اس انداز سے کہ ؎

چوں مسلماناں اگر داری جگر در ضمیرِ خویش و در قرآں نگر
صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست عصر ہا پیچیدہ در آناتِ اوست

کہیں ان الفاظ میں کہ:

جُز بقرآں ضیغمی روباہی است فقرِ قرآں اصلِ شاہنشاہی است
چیست قرآں خواجہ را پیغامِ مرگ دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ

اور۔۔۔ اس سے ذرا آگے ہے۔

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

کہیں قرآن اور تلوار کے متعلق کہتے ہیں کہ:

ایں دو قوت حافظِ یک دیگر اند کائناتِ زندگی را محور اند

اور کہیں اس میں ایک تیسری چیز کا اضافہ ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ:

مردِ مومن را عزیز اے نکتہ رس چیست جز قرآن و شمشیر و فرس

اور بالآخر اس تمام تفصیل کو اس ایجاز میں سمیٹ دیتے ہیں کہ

گر تو می خواہی مسلمان زیستن نیست ممکن جز بقرآں زیستن

انہوں نے اپنے اشعار ہی میں اس حقیقت کو واشگاف نہیں کیا بلکہ جہاں اور جب بھی انہیں موقعہ ملا، قرآن کی اہمیت کو بہر رنگ نمایاں کرتے چلے گئے۔ اپنے بیانات میں، خطبات میں، تقاریر میں، پیغامات میں، حتیٰ کہ دوستوں اور ہمنواؤں کے نام اپنے خطوط میں، ہر تقریب اور ہر مقام پر اس پیغام کو دہراتے رہے۔ سید سلیمان ندوی (مرحوم) کے نام اپنے ایک خط میں رقم طراز ہیں۔

قرآن کامل کتاب ہے' اور خود اپنے کمال کا مدعی ہے لیکن ضرورت ہے کہ اس کے کمال کو عملی طور پر ثابت کیا جائے کہ سیاسیات انسانیہ کے لئے تمام ضروری قواعد اس میں موجود ہیں اور اس میں فلاں فلاں آیت سے فلاں فلاں قواعد کا استخراج ہوتا ہے۔

(مولانا) حسین احمد مدنی (مرحوم) کے ساتھ اپنے مشہور ''معرکۂ دین و وطن'' میں ان سے کہتے ہیں کہ

جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آیا ہے اس کی رو سے اسلام' محض انسان کی اخلاقی اصلاح ہی کا داعی نہیں بلکہ بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطۂ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔

وہ اپنے ایک مقالہ میں قرآن کے پیش نظر مقصد کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:

قرآن کا مقصد یہ ہے کہ مسلم بہ حیثیت فرد وہ انسان بن سکے جسے وحیٔ خداوندی احسن التقویم کے نام سے تعبیر کرتی ہے' اور ملت اسلامیہ وہ ملت بن جائے جو قرآن پاک کے الفاظ میں دنیا کی بہترین امت (خیر الامم) ہو۔'

قرآن کو فراموش کر دینے کا لازمی نتیجہ تقلید اور جمود تھا اس لئے کہ قرآن تو زندگی کی ہر آن حرکت کو سامنے لاتا ہے اور دین کا مقصد ہی یہ بتاتا ہے کہ وہ انسان کو اس قابل بنا دے کہ وہ عمل پیہم اور سعیٔ متواتر سے زندگی کی ارتقائی منازل طے کر سکے۔ لہٰذا' جمود و تعطل اس کے نزدیک موت کے مرادف ہے۔ اسی جمود کا نتیجہ ہے کہ وہ فقہی قوانین جو آج سے صدیوں پہلے' اس زمانے کے تقاضوں کے مطابق انسانی کوششوں سے وضع ہوئے تھے' انہیں وحیٔ خداوندی کی طرح ابدی اور غیر متبدل قرار دے دیا گیا۔ اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے' علامہ اقبالؒ اپنے خطبات تشکیلِ جدید میں لکھتے ہیں۔

مسلمانانِ ہند چونکہ غیر معمولی طور پر قدامت پسند واقع ہوئے ہیں لہٰذا ہندوستانی عدالتیں مجبور ہیں کہ فقہ اسلامی کی مستند کتابوں سے سرِ مو انحراف نہ کریں۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ تو بدل رہے ہیں مگر قانون جہاں تھا وہیں کھڑا ہے۔

اس سے ذرا پہلے لکھتے ہیں:

بدقسمتی سے قدامت پسند مسلمان عوام کو ابھی یہ گوارا نہیں کہ فقہ اسلامی کی بحث میں کوئی تنقیدی نقطۂ نظر اختیار کیا جائے۔ وہ بات بات پر خفا ہو جاتے ہیں اور ذرا ذرا سی تحریک پر بھی فرقہ وارانہ نزاعات کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

ان کے نزدیک' کرنے کا کام یہ تھا کہ قرآن کریم کے ابدی اصولوں کی روشنی میں ایسے قوانین مرتب کئے جائیں جو

ہمارے موجودہ تقاضوں کو پورا کرسکیں۔ چنانچہ وہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

جو شخص اس وقت قرآنی نقطۂ نگاہ سے زمانہ حال کے جورس پروڈنس (اصول فقہ) پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا وہی اسلام کا مجدد ہوگا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا۔

اقبالؒ نے یہ کچھ اس زمانے میں لکھا تھا جب یہاں انگریزوں کی حکمرانی تھی اور اپنے لئے آپ قوانین مرتب کرنے کے ہمیں اختیارات حاصل نہیں تھے۔ انہوں نے ایک آزاد مملکت کا تصور ہی اس لئے پیش کیا تھا کہ ہم اس قابل ہوسکیں کہ قرآن کریم کی روشنی میں اپنے لئے ضابطۂ قوانین خود مرتب کرلیں اور اسی کے مطابق ہماری مملکت کا کاروبار سرانجام پائے۔ ظاہر ہے کہ تشکیل پاکستان کے وقت علامہ اقبالؒ زندہ ہوتے تو وہ سب سے پہلے یہی کام کرتے یا کراتے۔ لیکن ہماری بدقسمتی کہ وہ اس سے پہلے ہی ہم سے جدا ہوگئے اور اس مملکت کے ساتھ وہی کچھ ہوا جس کا انہیں خدشہ تھا کہ:

زاغوں کے تصرف میں ہیں شاہیں کے نشیمن

چنانچہ یہاں ہوا یہ کہ جمود و تعطل کی گرہیں پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہوگئیں اور وہ حقیقی اسلام، جس کے متعلق انہوں نے (فوقؔ مرحوم کے نام اپنے ایک خط میں) لکھا تھا کہ ''وہ ہندوستان میں ایک فراموش شدہ چیز ہے''، جنس فراموش تر ہوگئی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ یہ کہنا کہ ہمارے نظام و قوانین کی اساس قرآن خالص پر ہونی چاہئے، جرمِ عظیم قرار پا گیا۔ اقبالؒ نے سید سلیمان ندوی (مرحوم) کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھا تھا کہ:

میرے دل میں ممالکِ اسلامیہ کے موجودہ حالات دیکھ کر بے انتہا اضطراب پیدا ہو رہا ہے، یہ بے چینی اور اضطراب محض اس وجہ سے ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل بگڑ کر کوئی اور راہ اختیار نہ کرلے۔

آج یہ خطرہ اس وقت سے بھی زیادہ مہیب اور قریب تر نظر آ رہا ہے۔ اس لئے بھی کہ علامہ اقبالؒ نے، اپنی زندگی کے آخری ایام میں، مدیر احسانؔ کے نام اپنے خط میں لکھا تھا کہ:

وہ شخص جو دین کو سیاسی پراپیگنڈے کا پردا بناتا ہے، میرے نزدیک لعنتی ہے۔

(انوار اقبالؒ مرتبہ بشیر احمد ڈار، ص:168)۔

اور پاکستان میں آج یہ کھیل کھلے بندوں کھیلا جا رہا ہے۔ لیکن اس میں مایوسی کی کوئی بات نہیں۔ قرآن، جہاں زمان و مکان کی حدود سے مستغنی ہے وہاں وہ کسی خاص ملک اور قوم سے بھی وابستہ نہیں۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝ (47:38)۔

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزم طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	200/-	سورۃ النور	(24)	264	350/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	400/-	سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-	سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-	سورہ القصص	(28)	334	350/-
سورہ آل عمران (اول)	(3)	472	500/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	350/-
سورہ آل عمران (دوم)	(3)	480	500/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	400/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	400/-
سورۃ انفال	(8)	210	250/-	سورہ یٰسٓ	(36)	164	150/-
سورۃ ھود	(11)	400	400/-	سورہ الصّٰفّٰت، ص، زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورۃ یوسف	(12)	288	300/-	سورۃ مومن، حٰمٓ سجدہ، سورہ شوریٰ	(40,41,42)	624	550/-
سورہ رعد، ابراہیم، الحجر	(13-15)	500	500/-	سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45 46-47)	520	500/-
سورہ النحل	(16)	334	300/-	سورۃ الفتح، الحجرات، ق، الذاریات، الطّور، النجم	(48-49-50 51-52-53)	550	500/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	----	سورۃ القمر، الرحمٰن، واقعہ، الحدید	(54-55 56-57)	384	400/-
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	----	28 واں پارہ (مکمل) مجادلہ، حشر، ممتحنہ، صف، جمعہ، منافقون، تغابن، طلاق، تحریم	(58-59-60-61-62-63-64-65-66)	300	300/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	350/-				
سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	400/-
سورۃ الحج	(22)	380	350/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	400/-
سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-	شرح جاوید نامہ	----	800	1000/-

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) بی-25، گلبرگ 2، لاہور فون نمبر: +92 42 3571 4546 +92 321 4460 787

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

غلام احمد پرویزؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(قسط دوم)

سوچا کرو

میں سب سے پہلے اس ایمان کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ:

میرا ایمان:

جو شخص رسول اللہ ﷺ کے کسی ارشاد یا حضور ﷺ کے کسی عمل کی صداقت سے انکار کرتا ہے، میرے نزدیک وہ مسلمان ہی نہیں کہلا سکتا۔

اس لیے کہ حضور ﷺ کے ارشادات واعمالِ حیات سے تو وہ ماڈل ترتیب پاتا ہے جسے خدا نے ''اسوہ حسنہ'' قرار دیا ہے۔ اس اسوہ حسنہ سے انکار، نہ صرف انکار رسالت ہے، بلکہ ارشاد خداوندی سے انکار ہے۔ اس انکار کے بعد، کوئی شخص مسلمان کیسے رہ سکتا ہے؟ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس اسوہ حسنہ کو خود قرآن میں محفوظ کر دیا ہے۔

اس کے بعد یہ سوال سامنے آتا ہے کہ یہ معترضین جسے انکار حدیث یا انکار سنت کہہ کر، کفر و الحاد قرار دیتے ہیں، وہ (درحقیقت) انکار ہوتا کس بات سے ہے؟ اس کے لیے یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ حدیث یا سنت کی صحیح پوزیشن کیا ہے! اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ:

1۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے ارشادات کا کوئی مجموعہ مرتب کر کے امت کو نہیں دیا۔ نہ ہی کسی کے مرتب کردہ مجموعہ پر مہر تصدیق ثبت فرمائی۔ حضور ﷺ نے امت کو صرف خدا کی کتاب (قرآن مجید) دی۔

2۔ نہ ہی خلفائے راشدینؓ نے ان ارشادات (احادیث) کا کوئی مجموعہ مرتب کیا۔

3۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی وفات کے قریب دو سو سال بعد، بعض حضرات نے اپنے طور پر کوشش کی کہ جن باتوں کو لوگ، حضور ﷺ کے ارشادات کہہ کر بیان کرتے تھے، انہیں اکٹھا کیا جائے۔ اس میں سرفہرست وہ چھ حضرات ہیں جن کے مجموعوں کو سنی حضرات ''صحاح ستہ'' کہہ کر پکارتے ہیں۔ (شیعہ حضرات کے مجموعے الگ ہیں) (ضمناً) یہ سب جامعین احادیث ایرانی تھے۔ ان میں عرب بھی کوئی نہیں تھا۔ میں، ان میں سے، صرف ایک بزرگ، امام بخاریؒ (متوفی 256ھ) کے نام سے متعین گفتگو کروں گا۔ لیکن جو کچھ ان کے متعلق کہا جائے گا، اس کا اطلاق باقی جامعین احادیث پر از خود ہو جائے گا۔

امام بخاریؒ نے لکھا ہے کہ انہوں نے جو روایات لوگوں کی زبانی سن کر اکٹھی کیں ان کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچتی ہے۔

ظاہر ہے کہ جنہوں نے یہ روایات امام بخاریؒ سے بیان کیں، وہ امام صاحبؒ کے زمانے میں موجود تھے۔ لیکن ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قریب دوسو سال کا بعد (فاصلہ) تھا۔ اس لیے ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس نے یہ بات خود رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی، اور اس نے فلاں سے اور اس طرح متعدد راویوں کا سلسلہ صحابہ کرامؓ یا رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دیا جاتا تھا۔

اگر کسی عدالت میں، ایک گواہ یہ کہے کہ میں نے اس واقعہ کو خود نہیں دیکھا، میں نے یہ بات فلاں سے سنی ہے، تو عدالت اس کی گواہی قبول نہیں کرتی۔ آپ سوچئے کہ جب ایک گواہ کی سنی سنائی بات کو شہادت تسلیم نہیں کیا جاتا، تو دوسو سال پر پھیلے ہوئے عرصہ کے پانچ سات راویوں کی سنی سنائی باتوں کو شہادت کیسے کہا جا سکے گا؟

پھر، یہ بھی نہیں تھا کہ سب سے پہلے راوی نے رسول اللہ ﷺ کے الفاظ اگلے راوی تک منتقل کر دیئے ہوں۔ اس نے حضور ﷺ کے ارشاد کا جو مطلب سمجھا اسے آگے منتقل کیا۔ اس طرح ہر راوی نے، سابقہ راوی کے بیان کا جو مطلب سمجھا، اسے آگے بیان کر دیا، اس طرح یہ، مطلب در مطلب مختلف راویوں کی زبانی، امام بخاریؒ تک پہنچا۔

آپ کسی محفل میں بیٹھے ہوئے دس احباب میں سے اپنے قریب ترین دوست کے کان میں کوئی بات کہئے۔ وہ اسے اپنے الفاظ میں اگلے دوست تک پہنچائے اور وہ اگلے تک۔ اس کے بعد وہ بات آپ تک واپس پہنچے تو آپ دیکھئے گا کہ آپ کی بات کیا سے کیا بن کر آپ تک پہنچتی ہے؟ یہ ایک ہی وقت میں، ایک ہی نشست میں مطلب کے تفاوت (فرق) کی مثال ہے۔ آپ سوچئے کہ جب کسی بات کا مطلب، راویوں کے اپنے الفاظ میں، دوسو سال کے عرصہ میں، جامع روایات تک پہنچے تو اس کی اصل سے کیا نسبت رہ جائے گی۔

اس طرح چھ لاکھ احادیث امام بخاریؒ تک پہنچیں۔ انہوں نے ان میں سے، قریب سات ہزار کو قابل قبول سمجھا اور باقی حدیثوں کو مسترد کر دیا۔ ان میں سے اگر مکررات کو نکال دیا جائے تو باقی قریب تین ہزار روایات رہ جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا جس سے وہ خود ذات رسالتمآب سے تصدیق کر لیتے کہ فلاں روایت فی الحقیت آپ کی ہے! امام بخاریؒ نے اپنے خیال یا اپنی رائے میں جن روایات کو قابل قبول سمجھا، انہیں اپنے مجموعہ میں شامل کر لیا۔ جنہیں اپنے خیال میں صحیح نہ سمجھا انہیں مسترد کر دیا۔ ایسے معاملات میں انسان کے خیال یا رائے یا عقیدے کا کس قدر گہرا اثر ہوتا ہے، اس کا اندازہ اس ایک مثال سے لگائیے کہ امام بخاریؒ کو اس مسئلہ میں کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے یا نہیں، امامِ اعظمؒ (امام ابو حنیفہؒ) سے اختلاف تھا۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ امام اعظمؒ کو ثقہ قرار نہیں دیتے۔ پھر یہیں تک بس نہیں۔ چونکہ امامِ اعظمؒ کوفہ کے رہنے والے تھے اس لیے امام بخاریؒ کے نزدیک، تمام اہل کوفہ غیر معتبر قرار پا گئے۔ چونکہ کوفہ عراق میں ہے اس لیے عراق والے بھی اسی زمرہ میں شمار ہو گئے اور انہوں نے فیصلہ کر دیا کہ عراق والوں کی سو حدیثوں میں ننانویں چھوڑ دو۔ جو ایک لو، اسے بھی مشتبہ سمجھو۔ اسی طرح ایک فرعی عقیدہ کے اختلاف کی بنا پر، دو جلیل القدر ائمہ، یعنی امام ابوزرعہؒ اور امام ابو حاتمؒ

نے خود امام بخاریؒ کی ثقاہت پر اعتراض کیا ہے۔ بخاریؒ اور مسلمؒ کے مجموعوں کو صحیحین کہا جاتا ہے۔ ان کی آپس میں یہ کیفیت ہے کہ امام مسلمؒ، امام بخاریؒ کی ثقاہت پر طعن کرتے ہیں۔

اس کے بعد جامع حدیث کے ذاتی مسلک کی طرف آیئے۔

روایات کا انتخاب:

جناب عبدالصمد صارم کا ایک مقالہ، سیرتِ امام بخاریؒ کے عنوان سے دہلی سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''آستانہ'' کی جون 1981ء کی اشاعت میں چھپا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ

1۔ امام صاحبؒ کو جو مال ان کے والد سے ترکہ میں ملا، وہ اسے مضاربہ کے طور پر دوسروں کو دے دیا کرتے تھے۔ جو منافع ہوتا اس سے بسر اوقات کرتے اور اپنا سارا وقت تحصیلِ حدیث میں صرف کیا کرتے تھے۔ (صفحہ:32)

مضاربہ کے معنی ہیں (Sleeping Partnership) یعنی سرمایہ لگا کر اس کا منافع لینا۔

2۔ امام صاحبؒ کو غلاموں کی تجارت میں پانچ سو درہم ماہانہ کی آمدنی ہوتی تھی۔ (صفحہ:33)

ظاہر ہے کہ جب امام صاحبؒ نے حدیثوں کا انتخاب کیا تو ان حدیثوں کو صحیح قرار دیا جن میں مضاربت اور غلاموں کی تجارت کو جائز کہا گیا ہو۔ اور ان دو ایک عقائد پر ہی کیا موقوف ہے۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے انہی روایات کو قابل قبول قرار دیا جو ان کے عقائد اور مسلک کے مطابق تھیں۔

سو پہلی بات یہ ہے کہ امام بخاریؒ (اور اسی طرح ہر جامع احادیث) نے انہی روایات کو صحیح قرار دیا جو ان کی رائے میں قابل قبول تھیں۔

ارباب جرح وتعدیل:

اس کے بعد کچھ ارباب فن نے یہ سوچا کہ اس امر کی تحقیق کی جائے کہ جن راویوں نے یہ روایات بیان کی ہیں، وہ قابل اعتماد (ثقہ) بھی تھے یا نہیں! یہ خیال تو اچھا تھا لیکن آپ سوچئے کہ ان کے پاس وہ کون سے ذرائع تھے جن کی بناء پر وہ ڈیڑھ، دو سو سال پہلے کے انسانوں کے متعلق یقینی طور پر معلوم کر سکتے کہ وہ کیسے تھے؟ ظاہر ہے کہ اس تحقیق میں انہیں جو (Material) بھی میسر آیا، وہ اسی کی بنا پر، ان رایوں کی ثقاہت یا عدم ثقاہت کے متعلق کوئی رائے قائم کر سکتے تھے؟ یہاں معیار پھر ان کی ''رائے'' قرار پا گئی۔ اس باب میں سید ابوالاعلیٰ مودودی (مرحوم) کہتے ہیں:

جن حضرات نے رجال کی جرح و تعدیل کی ہے وہ بھی تو آخر انسان تھے۔ بشری کمزوریاں ان کے ساتھ لگی ہوئی تھیں۔ کیا ضرور ہے کہ جس کو انہوں نے ثقہ قرار دیا ہو، وہ بالیقین ثقہ اور تمام روایتوں میں ثقہ ہو۔ اور جس کو انہوں نے غیر ثقہ ٹھہرایا ہو وہ بالیقین غیر ثقہ ہو اور اس کی تمام روایتیں پایہ اعتبار سے ساقط ہوں۔ پھر ایک ایک راوی کے حافظہ اور نیک نیتی اور صحتِ ضبط وغیرہ کا حال بالکل صحیح معلوم کرنا تو مشکل ہے۔ (تفہیمات، حصہ اوّل، صفحہ:321)

اسماء الرجال:

اس کے بعد، بعض ارباب فن نے اس امر کی تحقیق کی کوشش کی کہ راوی جس شخص سے روایت لیتا ہے، آیا وہ اس کا ہم عصر بھی تھا، یا نہیں۔ ہم عصر تھا تو وہ اس سے ملا بھی تھا یا نہیں۔ ملا تھا تو کیا اس نے یہ خاص حدیث اس سے سنی تھی یا کسی اور سے سن لی تھی۔ ان کی تحقیق کے متعلق بھی مودودی مرحوم نے کہا ہے کہ:

اسے کلیتہً صحیح نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہ مواد اس حد تک قابل اعتماد ضرور ہے کہ سنت نبویؐ اور آثار صحابہؓ کی تحقیق میں اس سے مدد لی جائے اور اس کا مناسب لحاظ کیا جائے۔ مگر اس قابل نہیں ہے کہ بالکل اسی پر اعتماد کر لیا جائے۔
(ایضاً، صفحہ:322)

ارباب جرح و تعدیل اور اسماء الرجال نے، راویوں کی ثقاہت کے متعلق جو رائے قائم کی، اس کی رو سے انہوں نے احادیث کے مختلف درجے مقرر کر دیئے۔ کسی کو صحیح کہا، کسی کو حسن، کسی کو ضعیف وغیرہ۔ ان میں ''صحیح'' کی اصطلاح بڑی مغالطہ آفریں ہے۔ سنیوں کی احادیث کے چھ مجموعوں کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔ یعنی صحیح حدیثوں کے چھ مجموعے۔ بخاری اور مسلم کو صحیحین۔ اور بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ۔ ان کی حدیثوں کو صحیح کہنے سے عام طور پر ذہن میں یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ یہ یقینی طور پر صحیح، یعنی رسول اللہ ﷺ کے مستند ارشادات ہیں۔ لیکن درحقیقت بات یہ نہیں۔ یہ صرف محدثین کی اصطلاح کے طور پر صحیح کہلاتی ہیں۔ یقینی طور پر ان کے متعلق بھی نہیں کہا جا سکتا کہ فی الحقیقت یہ اقوال رسولؐ اللہ ہیں۔ یہ وجہ ہے کہ آپ کو ہر حدیث کے آخر میں یہ لکھا ملے گا۔۔۔۔ او کما قال رسول اللہ۔۔۔۔۔ یوں، یا جیسے رسول اللہؐ نے فرمایا ہو!

حدیث کا مقام:

ان تصریحات کی روشنی میں یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ جس طریق سے یہ احادیث جمع اور مرتب ہوئی ہیں اس کی رو سے، کسی ایک حدیث کے متعلق بھی حتمی اور یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ارشاد رسول اللہؐ ہے۔ اس کے متعلق یہی کہا جا سکے گا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کردہ قول ہے۔ مودودی مرحوم کے الفاظ میں:

اصل واقعہ یہ ہے کہ کوئی روایت جو رسول اللہؐ کی طرف منسوب ہو، اس کی نسبت کا صحیح اور معتبر ہونا، بجائے خود زیر بحث ہوتا ہے۔ آپ (یعنی معتقدین حدیث) کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیث رسول ماننا ضروری ہے جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں ہے۔ ہم سند کی صحت کو حدیث کے صحیح ہونے کی لازمی دلیل نہیں سمجھتے۔
(رسائل و مسائل، حصہ اوّل، 1951ء ایڈیشن، صفحہ:29)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

قول رسول اور وہ روایات جو حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں، لازماً ایک ہی چیز نہیں ہیں۔ اور نہ ان روایات کو استناد کے لحاظ سے آیات قرآنی کا ہم پلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ آیات قرآنی کے منزل من اللہ ہونے میں تو کسی شک کی گنجائش نہیں۔

بخلاف اس کے، روایات میں اس شک کی گنجائش موجود ہے کہ جس قول یا فعل کو نبی (ﷺ) کی طرف منسوب کیا گیا ہے، وہ واقعی حضور ﷺ کا ہے یا نہیں۔ (ایضاً، ص:270)

(ضمناً) میں بھی یہی کہتا ہوں جو مودودی (مرحوم) کہتے ہیں۔ لیکن یہ ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ مودودی مرحوم کو منکر حدیث نہیں کہا جاتا، اور میرے منکر حدیث ہونے کا ڈھنڈورا اس زور سے پیٹا جاتا ہے کہ اس کی آواز دور دراز گوشوں تک پہنچتی ہے۔ اور ان ڈھنڈورا پیٹنے والوں میں خود مودودی (مرحوم) اور ان کی جماعت بھی شامل ہوتی ہے!

دوسری طرف:

تحقیق و تثبیت کے بعد حدیث کا ٹھیک وہی مقام ہے جو قرآن عزیز کا ہے۔ اور فی الحقیقت اس کے انکار کا ایمان اور دیانت پر بالکل وہی اثر ہے جو قرآن عزیز کے انکار کا۔۔۔ جو احادیث قواعد صحیحہ اور ائمہ سنت کی تصریحات کے مطابق صحیح ہوں۔۔۔ ان کا انکار کفر ہوگا اور ملت سے خروج کے مرادف۔۔۔ بخاری اور مسلم کی احادیث کی صحت پر امت متفق ہے۔۔۔ ان احادیث کی صحت قطعی ہے۔

(جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث، از مولانا محمد اسماعیل (مرحوم)، سابق صدر مرکزی جمعیت اہل حدیث، صفحہ:45 تا 55)

یعنی بخاری یا مسلم کی کسی ایک حدیث کے انکار سے بھی ایک مسلمان کافر ہو جاتا ہے اور ملت کے دائرے سے خارج قرار پاتا ہے۔ (مثلاً) بخاری کی حدیث ہے کہ ''جب ملک الموت' حضرت موسیٰؑ کی جان قبض کرنے کے لیے آیا تو انہوں نے اسے ایسا تھپڑ مارا کہ وہ لوٹ کے خدا کے پاس چلا گیا'' (کتاب الانبیاء)۔ اگر آپ اس حدیث کے صحیح ہونے سے انکار کر دیں، تو (مذکورہ بالا فیصلہ کی رو سے) آپ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔

انکار حدیث کے معنی:

اس کے بعد ہمیں اس نقطہ کی طرف آ جانا چاہیے کہ انکار حدیث کے معنی کیا ہیں؟ یعنی جو شخص کسی حدیث کے صحیح ہونے سے انکار کرتا ہے، وہ کس بات سے انکار کرتا ہے؟

آپ چند صفحات پیچھے چلئے جہاں میں نے کہا کہ امام بخاریؒ نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے ان تین ہزار حدیثوں کو منتخب کر کے اپنے مجموعہ میں شامل کیا جو ان کی رائے میں قابل قبول تھیں۔ اب اگر ایک شخص کہتا ہے کہ، میرے نزدیک فلاں حدیث صحیح نہیں، تو وہ رسول اللہ ﷺ کے کسی ارشاد گرامی کے صحیح ہونے سے انکار نہیں کرتا۔ وہ کہتا صرف یہ ہے کہ میرے نزدیک، امام بخاریؒ کی یہ رائے (یا خیال، یا فیصلہ) کہ یہ حدیث قابل قبول ہے، صحیح نہیں۔ مجھے ان کی رائے سے اختلاف ہے۔ میں اسے قول رسولؐ قرار دینے کے لیے تیار نہیں کیونکہ یہ قرآن کے خلاف ہے۔

لہٰذا، انکار حدیث، رسول اللہ ﷺ کے قول سے انکار نہیں۔ امام بخاری کی رائے سے اختلاف ہے۔

آپ سینے پر ہاتھ رکھ کر دیانتداری سے کہئے کہ اس میں کون سی بات ایسی ہے جس سے کفر لازم آ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے

ہمیں کہیں بھی امام بخاری کی اصابت رائے پر ایمان لانے کا مکلّف قرار نہیں دیا۔ یعنی اس نے کہیں یہ نہیں کہا کہ اگر تم یہ مانو گے کہ امام بخاری کی آراء بالکل صحیح اور صائب ہیں، تو تم مسلمان کہلاؤ گے۔ اگر کہو کے کہ مجھے ان کی رائے سے اختلاف ہے تو تم دائرہ اسلام سے خارج ہو جاؤ گے۔ ایسا کہنا خالص شخصیت پرستی ہے اور کلّیۃً جذبات پر مبنی ہے۔ کسی انسان کی اصابت رائے پر ایمان لانا، یہ قرآن کا تقاضا ہے، نہ عقل وفکر کا مطالبہ۔

لیکن قوم ہے کہ جذبات کے ان طوفانوں میں بہے چلے جاتی ہے کہ جونہی کسی نے امام بخاریؒ کی رائے سے اختلاف کیا، اسے کافر اور مرتد قرار دے دیا۔ اور یہ طوفان متلاطم کردہ ہیں مذہبی پیشوائیت کے مسلسل پروپیگنڈہ کے!

اس کے بعد ہم اس نکتہ کی طرف آتے ہیں کہ اس غلط عقیدہ کا قوم کی عملی زندگی پر کیا اثر پڑا ہے، اور پڑ رہا ہے۔ یہ نکتہ بھی گہرے فکر وتدبر کا محتاج ہے۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ فقہی احکام کس طرح مرتب ہوئے تھے اور انہیں کس طرح ابدی اور غیر متبدل قرار دے دیا گیا یعنی ان کی بنیاد احادیث پر رکھ دی اور جب احادیث کو ابدی اور غیر متبدل قرار دے دیا گیا تو فقہی قوانین کی حیثیت خود بخود ایسی ہوگئی۔ اس سے، نہ صرف یہ کہ فقہی احکام (مودودی مرحوم کے الفاظ میں) ''منجمد شاستر'' بن کر رہ گئے، بلکہ اس سے امت میں اس قدر تفرقہ پیدا ہو گیا جو کسی صورت میں مٹ ہی نہیں سکتا۔

فقہ کے اختلافات:

قرآن کریم نے اپنے منجانب اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی دی تھی کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں (4:82)۔ اس کے برعکس احادیث کی یہ حالت ہے کہ مختلف مجموعوں کے باہمی تضادات اور اختلافات تو ایک طرف، اس کے کسی ایک مجموعہ میں باہمد گر متضاد احادیث موجود ہوتی ہیں۔ آپ غور فرمایئے کہ فقہی احکام میں کس قدر اختلاف ہوگا؟ امت میں اس قدر فرقے اور ان میں باہمی سر پھٹول سب اسی کا نتیجہ ہے۔ احادیث، مختلف فقہی احکام میں سے ہر ایک کو کس طرح سند مہیا کر دیتی ہیں، اس کی ایک مثال، علامہ محمد اسلم جیراجپوریؒ نے اپنی کتاب۔ ''ہمارے دینی علوم'' (صفحہ 163) میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

روایات کا یہ اختلاف دیار وامصار، یعنی حجاز وعراق وغیرہ پر محدود نہیں ہے بلکہ ایک ہی مقام میں مختلف اور متضاد روایتیں ہوتی تھیں۔ اس کا ایک نمونہ عبدالوارث بن سعید کا بیان ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''میں مکہ میں آیا تو معلوم ہوا کہ یہاں عراق کے نامور فقہاء حج کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ پہلے میں امام ابوحنیفہؒ کے پاس پہنچا اور ان سے پوچھا کہ بیع میں بائع اگر کوئی شرط لگائے تو کیا وہ جائز ہوگی؟ جواب دیا کہ بیع بھی باطل ہے اور شرط بھی۔ پھر میں نے ابن ابی لیلیٰ سے بھی جا کر یہی سوال کیا؟ انہوں نے کہا کہ بیع جائز ہے اور شرط باطل ہے۔ اس کے بعد ابن شبرمہ سے جا کر دریافت کیا۔ بولے بیع بھی جائز ہے اور شرط بھی جائز ہے''۔

میں نے دل میں کہا کہ سبحان اللہ! یہ تینوں فقہا ایک ہی جگہ کے ہیں اور ان میں ایک ہی مسئلہ میں رایوں کا اس قدر

اختلاف!

اب دوبارہ میں ابوحنیفہؒ کے پاس گیا اور ان سے یہ سب باتیں کہیں، فرمایا معلوم نہیں کہ وہ لوگ کیوں ایسا کہتے ہیں، مجھے تو حدیث ملی ہے۔

حدثنی عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال نہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عن بیع و شرط۔
یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیع کے ساتھ شرط ممنوع فرمائی۔

یہ سن کر میں ابن ابی لیلیٰ کے یہاں پہنچا اور ان سے بیان کیا انہوں نے کہا کہ حدثنی ھشام عن عروۃ عن ابیہ عن عائشہ قالت امرنی رسول اللہ ان اشتری بریرۃ فاعتقھا فاشترط اھلھا الولاء لانفسھم فقال رسول اللہ ما کان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل یعنی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں بریرہ کو خرید کر آزاد کر دوں۔ اس کے مالکوں نے شرط یہ کی کہ اولاد ان کی رہے گی۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جو شرط کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے۔

اب ابن شبرمہ کے پاس آیا' انہوں نے سب کچھ سن لینے کے بعد کہا کہ حدثنی مسعر بن کدام عن محارب بن دثار عن جابر قال بعت النبی بعیر او شرطت لی حملانہ الی لمدینہ۔ یعنی میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ ایک اونٹ بیچا اور میری یہ شرط منظور کی گئی کہ اس پر لد کر مدینہ تک جاؤں گا۔

اس پر، علامہ موصوف نے، اپنے مخصوص انداز میں، چار سطروں میں جو تبصرہ فرمایا ہے، وہ اپنے مقام پر منفرد ہے۔ فرماتے ہیں:

''مگر اس کا الزام صرف روایات کے اختلاف پر نہیں بلکہ مذہبی انفرادیت پر بھی ہے۔ اگر اجتماعی مرکز، فقہ کو اپنے ہاتھ میں رکھتا تو ساری ملت کی ایک ہی فقہ ہوتی اور شخصی فقہوں میں پڑ کر وہ فرقوں میں تقسیم نہ ہو جاتی۔ اور اس مرکزیت کی وجہ سے احادیث کی بھی یہ حالت ہوتی۔''

جب تک قرآنی مملکت (خلافت علیٰ منہاج رسالت) قائم رہی، نہ احادیث کے مجموعے مرتب ہوئے اور نہ ہی مختلف فقہا کی انفرادی فقہیں مرتب اور رائج ہوئیں۔ یہ سب تباہیاں اس خلافت (مرکز) کے باقی نہ رہنے سے آئیں۔

بہر حال ہم یہ کہہ رہے تھے کہ فقہی احکام کے اختلافی ہونے کی وجہ ان احادیث کا اختلاف ہے جن پر فقہی احکام متفرع ہیں۔ اس باب میں سابقہ ایام میں مختلف فرقوں میں جو مباحثے اور مناظرے ہوا کرتے تھے، انہیں چھوڑیئے۔ آج کل وفاقی شرعی عدالت مختلف معاملات میں جو فیصلے دیتی ہے انہیں دیکھئے۔ ان میں ساری بحثیں، احادیث کی پوزیشن اور ان کے باہمی (اور قرآن سے) اختلافات کے گرد گردش کرتی ہیں۔ اور اس کے بعد نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ حکومت کی قائم کردہ شرعی عدالت ایک فیصلہ دیتی ہے، اور خود حکومت اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دیتی ہے۔ وفاقی شرعی عدالت کا وہ فیصلہ

بھی فقہ اور احادیث پر مبنی ہوتا ہے، اور اس کے خلاف اپیل بھی، فقہ اور احادیث پر مبنی!

اس مقام سے یونہی آگے نہ بڑھ جایئے۔ قرآن مجید کے الفاظ میں:

ایک ایک، دو دو کر کے کھڑے ہو جایئے، اور پھر سوچئے!

علامہ اقبالؒ کی فکر:

ایک۔۔۔ سوچنے والے ذہن نے اس اہم ترین سوال کے متعلق سوچا تھا، اور اپنی قرآنی بصیرت کی روشنی میں اس کا حل بھی بتایا تھا۔ آپ، علامہ اقبالؒ کے ''خطبات تشکیل جدید'' میں چھٹا خطبہ دیکھئے۔ اس میں اس سوال پر بڑی تفصیلی گفتگو کی گئی ہے اور اس کے ساتھ اس کا حل بھی بتایا ہے۔ سب سے اہم سوال قانون سازی کا تھا۔ اس باب میں انہوں نے اپنی بحث کو ان الفاظ میں سمٹا کر پیش کیا کہ:

> ''آیئے اب ایک نظر ان اصولوں پر ڈالیں جو قرآن نے قانون سازی کے سلسلہ میں دیئے ہیں۔ ان پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ان اصولوں کی رو سے قطعاً یہ نہیں ہوتا کہ انسانی فکر سلب ہو جائے اور قانون سازی کے لیے کوئی میدان ہی نہ رہے۔ اس کے برعکس ان اصولوں میں جس قدر وسعت رکھی گئی ہے اس سے انسانی فکر بیدار ہوتی ہے۔۔۔ قرآن کریم کی یہ تعلیم کہ حیات ایک ترقی پذیر عمل ارتقاء ہے، اس کی مقتضی ہے کہ ہر نئی نسل کو اس کا حق ہونا چاہیے کہ وہ اپنی مشکلات کا حل خود تلاش کرے۔ وہ ایسا کرنے میں سلف کے علمی سرمایہ سے راہ نمائی حاصل کر سکتے ہیں، لیکن اسلاف کے فیصلے ان کے راستے میں روک نہیں بن سکتے۔''

(ضمناً) علامہ اقبالؒ نے یہ خطبات 1926ء میں دیئے تھے جب ان کی فکر پختہ ہو چکی تھی۔ حال ہی میں میری نظروں سے ان کے ایک مقالہ کا اقتباس گزرا ہے، جو ماہنامہ مخزن کی اکتوبر 1904ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ (یوں کہئے کہ جب وہ) ہنوز طالب العلم تھے۔ اسے دیکھئے اور پھر اندازہ لگایئے کہ ایک سوچنے والا ذہن۔۔۔ چھوٹی سی عمر میں بھی کس طرح صحیح سمت کی طرف رخ کرتا ہے۔ انہوں نے اس مقالہ میں کہا تھا:

> ''حالات زندگی میں ایک عظیم الشان انقلاب آجانے کی وجہ سے بعض ایسی تمدنی ضروریات پیدا ہو گئی ہیں کہ فقہا کے استدلالات جن کے مجموعے کو عام طور پر شریعت اسلامی کہا جاتا ہے، ایک نظر ثانی کے محتاج ہیں۔ میرا یہ عندیہ نہیں کہ مسلمات مذہب میں کوئی اندرونی نقص ہے، جس کے سبب سے وہ ہماری موجودہ تمدنی ضروریات پر حاوی نہیں ہیں، بلکہ میرا مدعا یہ ہے کہ قرآن شریف اور احادیث کے وسیع اصولوں کی بنا پر استدلال فقہا نے وقتاً فوقتاً کئے ہیں، ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو خاص خاص زمانوں کے لئے واقعی مناسب اور قابل عمل تھے، مگر حال کی ضروریات پر کافی طور پر حاوی نہیں ہیں۔ جس طرح اس وقت ہمیں

تائید اصول مذہب کے لئے ایک جدید علم کلام کی ضرورت ہے، اسی طرح قانون اسلامی کی جدید تفسیر کے لئے ایک بہت بڑے فقہ کی ضرورت ہے جس کے قوائے عقلیہ و متخیلہ کا پیمانہ اس قدر وسیع ہو کہ وہ مسلمات مذہب کی بنا پر قانون اسلامی کو نہ صرف ایک جدید پیرائے میں مرتب اور منظّم کر سکے بلکہ تخیل کے زور سے اصول کو ایسی وسعت دے سکے جو حال کے تمدنی تقاضوں کی تمام ممکن صورتوں پر حاوی ہو۔

(''قومی زندگی''، مخزن، اکتوبر 1904ء)

تصورِ پاکستان سے مقصود:

فقہ کی اس تشکیل نو کے لئے انہوں نے، مملکت پاکستان کا تصور دیا۔ اس کا بنیادی مقصد انہوں نے جن مختصر الفاظ میں متعین کیا تھا وہ اربابِ فکر و دانش کے لئے دلیل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ ''اس سے اسلام کے دامن سے وہ دھبہ دھو دیا جائے گا جو عربی ملوکیت نے اس پر لگا رکھا ہے۔'' غور کیجئے کہ انہوں نے اسلام کے ماضی (کی تاریخ) اور مستقبل (کے تصور) کو کس طرح چار لفظوں میں واشگاف کر کے رکھ دیا تھا؟

لیکن اقبالؒ یہ کہہ کر چلا گیا اور اس کے بعد صورت یہ ہو گئی کہ:

زاغوں کے تصرف میں ہے شاہیں کا نشیمن!

عربی ملوکیت کا وہ نقش جو پہلے ایک دھبہ کی شکل میں تھا، اب تھیا کریسی کے تصدق، خود اس دامن کا جزو بنایا جا رہا ہے۔ روایات اور فقہ کے وہ اصول و احکام جو مرورِ زمانہ کے ہاتھوں رفتہ رفتہ خود ہی مٹتے جا رہے تھے، انہیں حیات نو (New Lease of life) عطا کی جا رہی ہے۔ معلوم نہیں، خدا کی کتاب اور انسانی فکر کو جن نئی زنجیروں میں جکڑا جا رہا ہے وہ اُمت کے سر پر کب تک مسلط رہیں گی؟ یہ ٹھیک ہے کہ یہ تسلط ابدیت سے ہم کنار نہیں ہو سکتا۔ سوال صرف وقت کا ہوتا ہے۔ لیکن اس دوران میں اسلام جس قدر مسخ ہو چکا ہو گا، اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟

سر دست تو ہم اتنا ہی عرض کر سکتے ہیں کہ جب بھی قرآن اور انسانی فکر، ان زنجیروں سے آزاد ہوئے، امت کے لئے سب سے پہلا کرنے کا کام یہ ہو گا کہ روایات، سیرت، تاریخ، تفاسیر، فقہ کا جائزہ، قرآن کی روشنی میں لے۔ جو اس کے مطابق ہو، اسے قابل قبول سمجھے، جو اس کے خلاف نظر آئے، اسے مسترد کر دے اور پھر اُمت کے مشورہ سے، قرآنی حدود کے اندر رہتے ہوئے، اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق، احکام و قوانین کی تشکیل جدید کرے۔ اس وقت وہ مملکت بھی اسلامی کہلائے گی اور اس کے قوانین بھی احکام شریعت۔ لیکن، یہ فریضہ، اس انقلابی مردِ مومن کے ہاتھوں ادا ہو سکے گا جو (اقبالؒ کے الفاظ میں) اپنے پیکر میں روح عمریؓ لے کر آگے بڑھے اور پوری جرأت و بسالت سے اعلان کرے:

حسبنا کتاب اللہ۔۔۔ ہمارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے۔ (چھٹا خطبہ)

پمفلٹس --- PAMPHLETS

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے

فی پمفلٹ قیمت 10 روپے علاوہ ڈاک خرچ

اسلام آگے کیوں نہ چلا	قرآن مجید کے خلاف گہری سازش	دوقومی نظریہ
اسلام کیا ہے؟	قربانی	عورت قرآن کے آئینے میں
اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟	قیامت موجود	پاکستان کی نئی ''زیارت گاہیں''
اسلام اور مذہبی رواداری	قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے ہنگاموں سے نہیں!	کیا تمام مذاہب یکساں ہیں؟
کیا اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے؟	قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر	تحقیق ربٰو (مسئلہ سود)
اسلامی قانون کی اصل و بنیاد کیا ہے؟ (مغربی پاکستان ہائیکورٹ کا فیصلہ)	ہماری نمازیں اور روزے بے نتیجہ کیوں ہیں؟	کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟
اسلامی آئیڈیالوجی	ہندو کیا ہے؟	بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن
اسلام اور پاکستان کے خلاف گہری سازش (20 روپے علاوہ ڈاک خرچ)	ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ (قرآنی اصطلاحات کی تشریح)	تکذیب دین کون کرتا ہے اور مصلّی کسے کہتے ہیں
اسلامی مملکت کے سربراہ کی معاشی ذمہ داریاں	ہماری تاریخ میں کیا ہے؟	روٹی کا مسئلہ
اسلامی قانون سازی کا فریضہ (بال سے باریک تلوار سے تیز)	ہم میں کیریکٹر کیوں نہیں؟	جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
انسانیت کا آخری سہارا	ہم عید کیوں مناتے ہیں؟	نماز کی اہمیت
اے کشتۂ سلطانی وملائی و پیری	مقام اقبالؒ	ضبطِ ولادت (خاندانی منصوبہ بندی)
اقبال کا مردِ مومن	مقام محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	علماء کون ہیں؟
اندھے کی لکڑی	مرزائیت اور طلوع اسلام	فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں
آرٹ اور اسلام	ماؤزے تنگ اور قرآن	کافرگری
قرآن کا معاشی نظام	مومن کی زندگی	حرام کی کمائی
قرآن کا سیاسی نظام	جہاں مارکس ناکام رہ گیا	عالمگیر افسانے

ملک منظور حسین لیل۔ بھکر
0332-7636560
mhleeladv@yahoo.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قسط نمبر 18

پرویز صاحب کا نظریۂ اسلامی مملکت

(قرآنی حکومت)

اور جو لوگ ما انزل اللہ (قرآن) کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے، وہی لوگ کافر، ظالم، فاسق ہیں (5:44-45-47)

اسلامی حکومت کا سرسری نقشہ

کیا اسلام میں اب بھی اس کی صلاحیت ہے؟:

طلوعِ اسلام فروری 1973ء، ص22: ''کیا اسلام میں اب بھی آگے چلنے کی صلاحیت ہے؟ اور اس سوال کے جواب میں، میں یہ کہوں گا کہ ''اب بھی آگے چلنے کی صلاحیت'' تو ایک طرف، اس چودہ سو سال میں دنیا میں چلا ہی اسلام ہے۔ کوئی دوسرا نظام چلنے کے قابل ثابت ہی نہیں ہوا۔ میرا یہ جواب بڑا تعجب انگیز نظر آئے گا لیکن آپ دیکھیں گے کہ یہ حقیقت پر مبنی ہے، محض جذباتی نعرہ نہیں۔ اس کے لئے پہلے ایک تمہیدی وضاحت ضروری ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ جو ابدی اصول اور مستقل اقدار، انسانی رہنمائی کے لئے منجانب اللہ عطا ہوئے ہیں، ان میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ، راستے کے موانعات کو ہٹاتے ہوئے، آگے بڑھیں اور اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں۔ سورۂ فاطر میں ہے: اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ (35:10)۔ ان نظریاتِ حیات میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ اوپر کو ابھرتے ہوئے عروج وارتقاء کی اس منزل تک پہنچ جائیں جسے ان کے لئے متعین کیا گیا ہے۔ ان نظریات کو قرآن نے ''الحق'' کہہ کر پکارا ہے۔ اور ان موانعات کو جو ان کا راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ ''باطل'' سے تعبیر کرتا ہے۔ اور اس کشمکشِ حق و باطل کے متعلق کہتا ہے کہ: بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ (21:18)۔ الحق، باطل پر اپنا نشانہ لگاتا رہتا ہے تا آنکہ باطل کا بھیجا نکل جاتا ہے۔ اور یوں وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلتا ہے۔۔ لیکن اس کے ساتھ ہی قرآن کہتا ہے کہ اس طرح باطل کی شکست اور حق کی فتح۔ یا یوں کہئے کہ ان نظریاتِ حیات کے اپنی منزل تک پہنچنے کی رفتار بڑی سست ہوتی ہے:

يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ (32:5)۔ ان کی اس رفتار کا ایک ایک دن، تمہارے حساب وشمار کی رو سے، ایک ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ اسے آپ انسانی تاریخ کی رفتار کہہ لیجئے۔ لیکن

اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اگر کبھی ایسا ہو کہ انسانوں کی کوئی جماعت ان نظریات کو اپنی زندگی میں عملاً رائج کر لے، تو پھر ان کے نتائج، انسانی حساب وشمار کے مطابق دنوں میں مرتب ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جہاں اس نے کہا ہے کہ: اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ (ان نظریات میں از خود ابھرنے کی صلاحیت موجود ہے)، اس کے بعد کہا ہے کہ: وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُہٗ ؕ (35:10) انسانی اعمالِ صالح کی قوت انہیں نہایت تیزی سے اوپر اٹھا دیتی ہے۔''

کیا یہ ممکن العمل بھی ہے:

طلوعِ اسلام مئی 1985ء، ص 60: ''علامہ اقبال نے پاکستان کا تصور اس لئے دیا تھا کہ اس وقت مسلمانوں کی کسی مملکت میں قرآنی نظام رائج نہیں تھا۔ اور وہ چاہتے تھے ایک ایسا خطہء زمین حاصل کیا جائے جسے قرآنی نظام کی تجربہ گاہ بنایا جائے۔ جب اس خطہء زمین میں قرآنی نظام برگ و بار لائے گا تو اس کے قابلِ صد رشک و موجبِ ہزار افتخار نتائج کو دیکھ کر مسلمانوں کی دیگر مملکتیں بھی اس نظام کو اپنے ہاں رائج کرنے پر آمادہ ہو جائیں گی۔ اور اس کے بعد اس کا بھی امکان ہے کہ اس نظام کے انسانیت ساز اثمار کو دیکھ کر غیر مسلم ممالک بھی اس کی طرف کھنچے چلے آئیں۔ یہ تھی علامہ اقبال کی آرزو اور مطالبہء پاکستان کا جذبۂ محرکہ لیکن اس تیس (اب 60:70) سال کے عرصہ میں، نہ تو پاکستان میں قرآنی نظام رائج ہوا اور نہ ہی مسلمانوں کی کسی اور مملکت نے اس کی طرف توجہ کی۔ اس سے معترضین یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ حضرت علامہؒ کی یہ آرزو محض شاعرانہ تخیل پر مبنی تھی۔ قرآن میں کسی زمانہ میں تو اس کی صلاحیت تھی کہ اس کی بنیادوں پر ایک قابلِ عمل نظامِ مملکت وجود میں آجاتا تھا لیکن اب وہ زمانہ لد گیا۔ اب اس میں اس کی صلاحیت نہیں رہی۔ میں نے اس قسم کے اعتراضات کا تفصیلی جواب اپنے اس خطاب میں دیا ہے جس کا عنوان ہے ''کیا اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے؟'' اس مقام پر میں صرف حضرت علامہؒ کی تصریحات پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔۔۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، قرآن، سلسلہء رشد و ہدایتِ خداوندی کی آخری کڑی ہے جس میں تمام نوعِ انسان کے لئے ابدی حقائق محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ ''تمام نوعِ انسان کے لئے'' اور ''ابدی طور پر'' کے معنی یہ ہیں کہ قرآنی راہنمائی نہ کسی خاص قوم کے لئے مختص ہے اور نہ ہی کسی خاص زمانے تک محدود۔ اللہ تعالیٰ نے اسے: ذِکۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۰﴾ (38:87) کہا ہے۔ یعنی، تمام اقوامِ عالم کے لئے ضابطۂ ہدایت۔ دوسرے مقام پر اس کی تشریح ان الفاظ سے کر دی کہ: ''اس کی مثال ایک ایسے درخت کی ہے: اَصۡلُہَا ثَابِتٌ وَّفَرۡعُہَا فِی السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾۔ جس کی جڑیں پاتال میں ہوں اور شاخیں آسمان کو چھو رہی ہوں: تُؤۡتِیۡۤ اُکُلَہَا کُلَّ حِیۡنٍۭ بِاِذۡنِ رَبِّہَا ؕ (14:24-25) اور وہ قانونِ خداوندی کے مطابق، ہر زمانے میں اپنے پھل دیتا جائے۔'' حضرت علامہؒ کے الفاظ میں:

نغمہ فصلِ گل و لا کا نہیں پابند بہار ہو کہ خزاں، لا الٰہ الا اللہ

اس لئے قرآن کی یہ صورت نہیں کہ کوئی خاص قوم اس پر عمل پیرا نہ ہو یا اسے ترک کر دے تو یہ اپنے نتائج پیدا کرنا چھوڑ دے۔ اگر دنیا میں کوئی شخص بھی ایسا نہ رہے جو پانی کی دیگچی کو آگ پر رکھے تو اس سے پانی اپنی اس خاصیت کو کھو نہیں دے گا

کہ وہ ایک خاص درجۂ حرارت پر پہنچ کر بھاپ بن جاتا ہے۔ جب بھی کوئی شخص اسے آگ پر رکھے گا اس کی مضمر خاصیت مشہود ہو جائے گی۔ قرآن مجید ایک عالمگیر ضابطۂ ہدایت ہے۔ دنیا کی جو قوم، جس زمانے میں بھی اسے اپنا ضابطۂ زندگی قرار دے گی، اس کے خوشگوار نتائج سے بہرہ یاب ہو جائے گی۔''

مسلمان یونہی کہہ دیتے ہیں:

طلوعِ اسلام فروری 1973ء، ص:40: ''عام طور پر کہہ دیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی یہ عادت ہے کہ دنیا میں جہاں کوئی اچھا نظریہ سامنے آیا، انہوں نے کہہ دیا کہ اسلام میں یہ پہلے ہی سے موجود ہے۔ جب دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہر صحیح نظریہ پہلے ہی اسلام کے اندر موجود ہے تو میں نہیں کہہ سکتا کہ ''اسلام'' سے ان کی مراد کیا ہوتی ہے۔ اور ان کے اس قسم کے دعویٰ کا ان کے پاس ثبوت کیا ہوتا ہے۔ لیکن میں جو کچھ کہتا ہوں پوری ذمہ داری کے ساتھ کہتا ہوں اور متعین اتھارٹی کی بناء پر کہتا ہوں۔ میری اتھارٹی قرآن کریم ہے جس کے متعلق ساری دنیا کو تسلیم ہے کہ وہ چودہ سو سال سے دنیا میں بغیر کسی تبدیلی کے موجود ہے۔۔ میں نے جو کچھ اس وقت کہا ہے (یا اس سے پہلے بھی جو کچھ کہتا چلا آ رہا ہوں) ان میں سے ایک ایک دعویٰ کی تائید میں قرآن کی آیات موجود ہیں۔۔ اور جب بھی کوئی طلب کرے انہیں پیش کرنے کے لئے تیار ہوں:

حقائقِ ابدی پر مدار ہے اس کا یہ زندگی ہے، نہیں ہے طلسمِ افلاطوں

یوٹوپیا نہیں:

طلوعِ اسلام فروری 1982ء، صفحہ نمبر 37: روزنامہ جنگ لاہور کے نمائندوں کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ: ''اسلامی مملکت کا قیام یوٹوپیا نہیں۔ یہ ہر دور میں، ہر وقت ممکن العمل ہے۔ لیکن آج ہم جس دور میں رہ رہے ہیں اس میں مسلمانوں کی کوئی مملکت ایسی نہیں جس نے یہ کہا ہو کہ وہ اپنا تمام کاروبار ما انزل اللہ کے مطابق کرے گی، اور وہ ایسا کر رہی ہو۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں میرا یہ سوچنا اور ورک آؤٹ کرنا کہ اس اسلامی ریاست کی شکل کیا ہوگی، انتخابات کیسے ہوں گے؟۔ مشاورت کیسے ہوگی؟۔ پارلیمنٹ بھی ہوگی یا نہیں، آئین اس قسم کا ہوگا۔ یہ سب کچھ قبل از وقت ہوگا۔ اور مفیدِ مطلب بھی نہیں کہ یہ جزئیات اُس وقت کے حالات کے مطابق طے ہوں گی۔''

پاکستان

معیارِ قومیّت:

طلوعِ اسلام اپریل 1974ء، ص:21: ''اب اس داستان کا ایک ورق الٹئے اور اس باب کو سامنے لائیے جو نظامِ خداوندی کا گویا کونے کا پتھر ہے۔

قرآن کریم میں ہے: كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۔۔۔ (10:19، 2:212)۔ نوعِ انسان شروع

میں ایک برادری تھی۔ پھر انہوں نے آپس میں اختلافات پیدا کر لئے اور اس طرح وہ عالمگیر برادری مختلف ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ یہ اختلافات کیا تھے؟۔ خون کا اختلاف۔ رنگ کا اختلاف۔ نسل کا اختلاف۔ زبان کا اختلاف۔ وطن کا اختلاف۔ ان اختلافات کی بناء پر وہ انسانی برادری مختلف قبیلوں اور قوموں میں تقسیم ہوگئی اور ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کا بیری اور ایک قوم دوسری قوم کے خون کی پیاسی ہوگئی۔ جب صورت یہ ہوگئی: فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ (2:213)۔ تو اللہ نے انبیاء کو مبعوث کیا تا کہ وہ انہیں اس تفرقہ کی تباہ کاریوں سے آگاہ کریں اور نوعِ انسان کو عالمگیر برادری کی جنت بداماں زندگی کی خوشگواریوں کی بشارت دیں۔۔۔ خدا نے ان انبیاء کے ساتھ ضوابطِ قوانین بھی نازل کئے۔ تا کہ وہ ان ضوابط کی رو سے، اقوامِ عالم کے اختلافی امور کا فیصلہ کریں اور انہیں ایک امت کے قالب میں ڈھال دیں۔ یہ ہے قرآن کی رو سے، سلسلہء رشد و ہدایتِ خداوندی کا اولیں مقصد۔ یعنی قومیتوں کی تشکیل کے لئے انسانوں کے خود ساختہ معیاروں کو ختم کر کے اقدارِ خداوندی کی رو سے، نوع انسان کو ایک عالمگیر برادری میں منسلک کر دینا۔ اسی کو موجودہ دور کی اصطلاح میں دو قومی نظریہ کہتے ہیں۔ یعنی جو لوگ اجتماعیت کے اس اصول پر ایمان رکھیں، وہ ایک قوم (امت) کے افراد، اور باقی سب، دوسری قوم کے افراد۔

''اہل'' کا مفہوم:

ہم نے ابھی ابھی دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعثتِ انبیاء کرام کا مقصدِ اوّلیں یہی بتایا ہے۔ لہٰذا، اس اصول پر عمل بھی سلسلہء انبیاء کی اوّلین کڑی، حضرت نوح ہی سے شروع ہوگیا۔ ہوا یوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح سے وعدہ کیا کہ اس آنے والی تباہی سے تیرے ''اہل'' بچا لئے جائیں گے۔ جب وہ طوفان آیا تو حضرت نوح اور اُن کی جماعت کے افراد کشتی میں سوار ہو گئے۔ لیکن خود حضرت نوح کا بیٹا، اس میں سوار نہ ہوا، اور باقی افراد کے ساتھ سیلاب میں ڈوب گیا۔ حضرت نوح پر یہ بات از خود واضح نہ ہو سکی کہ جب خدا نے وعدہ کیا تھا کہ ''تیرے اہل'' محفوظ رکھے جائیں گے تو میرا بیٹا، جو میرے ''اہل'' میں سرفہرست تھا، محفوظ کیوں نہ رکھا گیا۔ چنانچہ: وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿45﴾ (11:45)۔ نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا کہ اے میرے نشوونما دینے والے! تُو نے وعدہ کیا تھا کہ تُو میرے اہل کو بچا لے گا۔ میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا۔ پھر اسے کیوں نہ بچا لیا گیا!۔ مجھے تیرے فیصلے کے خلاف مجالِ احتجاج نہیں۔ اس کے سامنے تو میرا سرِ تسلیم خم ہے۔ میں صرف یہ سمجھنا چاہتا ہوں کہ تیرے وعدے ہمیشہ سچے ہوتے ہیں، تو یہ واقعہ تیرے وعدے کے خلاف کس طرح سرزد ہو گیا۔۔۔ سوال آپ نے دیکھ لیا۔ اب اس کا جواب سنئے۔ فرمایا کہ نوح! ہمارے وعدے بالکل برحق ہوتے ہیں۔ اور یہ واقعہ بھی ہمارے وعدے کے خلاف سرزد نہیں ہوا۔ عین اس کے مطابق ظہور میں آیا ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ ''اہل'' کا صحیح مفہوم تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے۔

اہلِ بیت کا مطلب:

تم نے عام تصور کے مطابق یہ سمجھا کہ جو لوگ خون کے رشتے میں منسلک ہوں، وہ ''اہل'' میں سے ہوتے ہیں۔۔لیکن اقدارِ خداوندی کی رو سے ''اہل اور غیر''، ''اپنے اور بیگانے'' کا یہ معیار نہیں۔معیار خداوندی یہ ہے کہ جو لوگ ایمان میں مشترک ہوں، وہ ''اپنے''، خواہ ان میں کوئی اور قدرِ مشترک نہ ہو۔اور جو ایمان میں مشترک نہ ہوں، وہ سب ''بیگانے''، خواہ وہ بیٹے ہی کیوں نہ ہوں۔۔۔یہ تھا وہ معیار جس کی بناء پر، تمام نوعِ انسان، دو حصوں میں بٹ گئی۔قرآن کے الفاظ میں: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ (64:2)۔خدا نے تمہیں انسان پیدا کیا۔اور تم اپنے طرزِ عمل سے دو گروہوں میں بٹ گئے۔ایک گروہ وہ جو اقدارِ خداوندی کو اپنا ضابطہء حیات بناتا ہے اور دوسرا وہ جو ''اپنے بنائے ہوئے نظریات'' کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔اس معیار کے مطابق، حضرت نوح ایک قوم کے فرد قرار پا گئے اور ان کا بیٹا دوسری قوم کا فرد۔حضرت ابراہیم ایک امت کے رکن قرار پائے اور ان کا والد دوسری قوم کا فرد۔۔حضرت ابراہیم نے دو ٹوک اعلان کر دیا کہ: فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ (14:36) میرا، اور میرے اپنوں میں سے، وہ ہے جو میرے مسلک کا اتباع کرتا ہے۔جنہوں نے اس مسلک کا اتباع نہ کیا، آپ نے ان سے برملا کہہ دیا کہ: كَفَرْنَا بِكُمْ میرا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں: وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاۗءُ اَبَدًا تم میں اور مجھ میں ہمیشہ کے لئے بغض و عداوت رہے گی۔۔اور اس بات کو میں خفیہ نہیں رکھنا چاہتا۔تم سے برملا کہہ دینا چاہتا ہوں، یہ صورت اُس وقت تک رہے گی: حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ (60:4)۔جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہیں لاتے۔یہی وہ معیارِ قومیت تھا جس کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک ایسی امت کی تشکیل فرمائی جس میں، روم کا صہیب، حبش کا بلال، اور فارس کا سلمان، بایں ہمہ اختلافِ رنگ و خون و نسل، زبان و وطن، ایک برادری کے افراد تھے۔اور خود حضور ﷺ کے حقیقی چچا، داماد اور دیگر اعزہ و اقارب جو ایمان میں مشترک نہیں تھے، دوسری قوم کے افراد۔۔۔دنیا نے اس اصول کو نہ مانا اور رنگ و نسل کی بنیادوں پر قبیلوں اور قوموں کی تشکیل کرتی رہی، اور اس کے تباہ کن نتائج کا تجربہ کرنے کے بعد، مختلف انداز سے پہلو بدلتی رہی، تآنکہ اب، آخر الامر، اس نے اشتراکِ وطن کو قومیت کا معیار قرار دے دیا لیکن اس سے مختلف ممالک اور اقوام میں جس جہنم کے شعلے بلند ہوئے، انہوں نے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔اب وہ چیخ رہے ہیں، اور اس سے نکلنے کا راستہ معلوم کرنے کے لئے بری طرح ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔یعنی ''وہ ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ'' ہیں''۔۔۔اس کے بعد پرویز صاحب نے اس معاملے میں پریشان مغربی مفکرین کی مشہور تحریروں کے حوالے پیش کئے ہیں۔پھر وہ کہتے ہیں کہ: ''یہاں ایک نکتہ کی وضاحت ضروری ہے۔

دو قومی نظریہ اور وحدتِ انسانیت:

کہا یہ جاتا ہے کہ دینِ مصطفوی (ﷺ) کا مطمحِ نگاہ بے شک یہی ہے کہ تمام نوعِ انسان ایک عالمگیر برادری کے قالب میں ڈھل جائے۔لیکن وہ بھی تو نوعِ انسان کو کافر اور مومن کے دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے۔اس سے وحدتِ انسانیت کس

طرح وجود میں آسکتی ہے؟۔ یہ اعتراض سطح بینی پر مبنی ہے۔ صحیح راستے پر چلنے والا، اگر غلط راستے پر چلنے والوں کو آوازیں دے دے کر اپنی طرف بلاتا ہے، تو یہ، مسافروں کے لئے دو الگ الگ راستے تجویز کر کے انہیں دو گروہوں میں تقسیم نہیں کرتا۔ وہ غلط راستے کو مٹا کر، تمام مسافروں کو ایک ہی راستے پر چلانا چاہتا ہے۔ تفریقِ انسانیت تو غلط راستوں میں ایک اور غلط راستے کے اضافہ سے ہوتی ہے۔ شراب، چرس، بھنگ، افیون کے رسیا الگ الگ گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی شخص اگر نشہ سے تائب ہو کر، اپنے گروہ سے الگ ہو جاتا ہے تو اس سے وہ کوئی نیا گروہ قائم نہیں کرتا۔ وہ الگ گروہ سازی اُس وقت کرتا ہے جب وہ کوئی نیا نشہ ایجاد کرے اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دے۔ مذاہب میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ دین کی طرف دعوت دینے والا، نشہ بازوں سے نشہ چھڑا کر، انہیں صحیح العقل انسانوں کی صف میں کھڑا کر دیتا ہے۔ لہٰذا، دین، کافر و مومن کے دو الگ الگ گروہوں کی تشکیل نہیں کرتا۔ وہ مختلف گروہوں اور قوموں میں بٹے ہوئے انسانوں کو عالمگیر اجتماعِ انسانیت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ جو اس برادری کا رکن بننا قبول کر لیتا ہے، وہ اسے مومن (یعنی مان لینے والا) کہہ کر پکارتا ہے۔ جو اس سے انکار کرتا اور اپنی الگ گروہ بندی پر قائم رہنا چاہتا ہے، اسے وہ کافر (یعنی نہ ماننے والا) قرار دیتا ہے۔ یہ انسانوں کو دو گروہوں میں بانٹنا نہیں، اسے ایک برادری میں منتقل کرنے کا عملی طریق ہے۔'' (ص:25)۔

قرآن کریم کی رو سے بناءِ تقسیم:

طلوعِ اسلام جون 1981ء۔ ص:62: ''قرآن کریم میں ہے: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ (64:2) خدا نے تمہیں (تمام انسانوں کو) پیدا کیا پھر تم میں سے ایک گروہ کفار کا ہے اور ایک گروہ مومنین کا۔ سوال یہ ہے کہ قرآن کریم نے انسانوں میں جو تفریق و تقسیم کی ہے اس کی بنیاد خالص دین (کفر و ایمان) ہے یا اس کے ساتھ، یا اس سے الگ، کوئی اور عنصر بھی؟ قرآن نے وجہء تقسیم صرف اور صرف کفر و ایمان کو قرار دیا ہے۔ کفر اور ایمان کی بناء پر دو الگ الگ گروہوں میں تقسیم ہو جانے والے انسانوں کے باہمی تعلقات کو قرآن کریم نے حضرت ابراہیم کی داستانِ حیات میں (جسے اس نے اسوۂ حسنہ بہترین نمونہ قرار دیا ہے) تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ انہوں نے (ایمان میں مشترک نہ ہونے والے) اپنے باپ اور پوری کی پوری قوم سے برملا کہہ دیا کہ:۔ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔۔۔ (19:48)۔ ''میں تم سے، جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو، ان سب سے الگ ہوتا ہوں۔'' اتنا ہی نہیں بلکہ: اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ''ہم تم سے اور ان سے جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبودیت اختیار کئے ہوئے ہو، ان سب سے بے تعلق ہیں۔'' كَفَرْنَا بِكُمْ ''ہم تم سے ہر رشتے کا انکار کرتے اور بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔'' وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا ۔۔۔ ''تم میں اور ہم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کھلی کھلی عداوت اور نفرت رہے گی۔'' اگر تم چاہتے ہو کہ ہم سے تعلق پیدا کرو، اور یہ عداوت، محبت سے، اور یہ نفرت رفاقت میں بدل جائے تو اس کا ایک ہی طریق ہے۔ اور وہ یہ کہ تم بھی اس راستے کی سچائی پر ایمان لے آؤ جو اللہ نے ہم سب کے لئے مقرر کیا ہے۔: حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ

(60:4)۔ ''اس لئے کہ اس عالمگیر اصولِ زندگی کی رو سے اپنوں اور بیگانوں کا معیار، خون یا وطن کا رشتہ نہیں۔ معیار یہ ہے کہ: فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ (14:36)۔ ''جو شخص میرے پیچھے پیچھے چلتا ہے (وہ کسی قبیلہ کا فرد اور کسی وطن کا باشندہ ہو) وہ میرے اپنوں میں سے۔'' ''اور میرے اپنے'' جو کسی دوسری راہ پر چلتے ہوں۔ ''وہ میرے غیر'' ہیں۔۔ غور کیجئے! حضرت ابراہیم کی یہ قوم نسلی، ثقافتی، لسانی، وطنی، ہر لحاظ سے حضرت ابراہیم کے ساتھ مشترک تھی۔ ان اشتراکات کے باوجود وہ کون سا عنصر تھا جس نے ان میں ایسی گہری تفریق پیدا کر دی تھی۔ ایمان (دین) اور صرف ایمان۔ چنانچہ انہوں نے ان سے واضح طور پر کہہ دیا کہ تم اور ہم اسی صورت میں ایک ہو سکتے ہیں جب تم ایمان میں ہمارے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے عہدِ رسالت میں کفر اور ایمان کی بناء پر جو دو گروہ وجود میں آئے وہ بھی نسلی، ثقافتی، لسانی، وطنی، حتیٰ کہ رشتہ داری کی بناء پر مشترک تھے۔ اس تفریق کے بعد ان دونوں گروہوں کے متعلق واضح الفاظ میں فرما دیا کہ مومنین کی جماعت کے افراد: بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ (8:72) ''ایک دوسرے کے دوست اور چارہ ساز ہیں۔'' اور ان کے مقابلہ میں، نہ ماننے والوں (کفار) کی قوم: بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ ۔۔(8:73)۔ ''ایک دوسرے کے دوست اور چارہ ساز۔'' اس کے بعد اس قوم مومنین کو تاکید کر دی کہ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ ''اے جماعت مومنین! تم اپنے سوا اور کسی کو اپنے رازوں میں شریک نہ کرو۔'' اس لئے کہ: لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۔۔ ''یہ تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔'' ۔وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ ''ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ تم کسی نہ کسی مصیبت میں الجھے رہو۔'' قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ ''ان کی بغض وعداوت کی بعض باتیں تو ان کے منہ پر آ جاتی ہیں۔ لیکن جو کچھ ان کے دلوں میں چھپا رہتا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے: قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ (3:118) ۔ ''ہم نے تمہیں واضح طور پر ان امور سے آگاہ کر دیا ہے۔ اگر تم عقل وفکر سے کام لو گے (تو زندگی کے صحیح راستے پر چلتے جاؤ گے)۔'' ۔۔ آپ نے غور فرمایا کہ اختلافِ دین (کفر اور ایمان) کی بناء پر جو تفریق واضح ہوتی ہے اس کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟ ۔ایمان کے اشتراک کی بناء پر یک جا ہونے والے افراد کو وہ صرف ایک گروہ کے افراد نہیں کہتا۔ وہ انہیں ایک دوسرے کے بھائی کہہ کر پکارتا ہے۔: فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ (3:103)۔ ''اس نے تمہیں اپنی نوازش کریمانہ سے باہمی بھائی بھائی بنا دیا۔'' یعنی جو لوگ نسلی، ثقافتی، لسانی، وطنی اعتبار سے ایک تھے، وہ ایمان کے اختلاف کی بناء پر ایک دوسرے کے دشمن قرار پا گئے اور جو ان تمام اعتبارات میں ایک دوسرے سے الگ تھے وہ محض ایمان کے اشتراک کی بناء پر ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔ ابوجہل اور عمرؓ نسلی، ثقافتی، لسانی، وطنی، ہر لحاظ سے ایک تھے۔ لیکن جب عمرؓ ایمان لے آئے تو ان کے تمام باہمی رشتے منقطع ہو گئے۔ اور بلالؓ، عمرؓ کا بھائی بن گیا، جو ان تمام اعتبارات کی رو سے عمرؓ سے مختلف تھا۔ آپ نے غور فرمایا کہ اسلام میں وجہِ جامعیت دین (ایمان) اور صرف دین ہے۔ نسلی، ثقافتی، لسانی، وطنی، خون، رنگ کا کوئی اشتراک نہیں۔ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ (30:30)''

دوقومی نظریہ:

طلوعِ اسلام ستمبر 1972ء، ص:33: ''سب سے پہلے یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ ''دوقومی نظریہ'' سے مراد اتنی ہی نہیں کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دو قومیں بستی تھیں۔ ''دوقومی نظریہ'' اسلام کی بنیادی تعلیم اور ایک ابدی صداقت ہے جس کا اعلان اس دن ہوا جب خدا کے پہلے رسول، حضرت نوح نے، سب سے پہلی مرتبہ، دینِ خداوندی کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس کے بعد، ہر رسول اس صداقت کو دہراتا رہا۔ تا آنکہ اسے قرآن کریم کی دفتین میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ وہ ابدی صداقت یہ ہے کہ ساری دنیا کے انسان، دو گروہوں میں بٹ جاتے ہیں۔ ایک گروہ وہ جو وحیء خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتا ہے (اور یہ وحی اب صرف قرآن مجید کے اندر محفوظ ہے) اور دوسرا گروہ وہ جو، اس نہجِ زندگی کو تسلیم نہیں کرتا۔ قرآن کریم کے الفاظ میں: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ (64:2)۔ ''خدا وہ ہے جس نے تم سب انسانوں کو پیدا کیا۔ پھر تم میں سے کچھ کافر ہو گئے اور کچھ مومن بن گئے۔'' لہٰذا، قرآن کریم کی رو سے دنیا میں قومیں دو ہی ہیں۔ ایک وہ قوم جو اس ایمان کی رو سے وجود میں آئے اور دوسری ان کی جو ان میں شامل نہ ہوں۔ اس سے واضح ہے کہ جس طرح یہ تصور اسلام کے خلاف ہے کہ مسلم اور غیر مسلم مل کر ایک قوم بن سکتے ہیں، اسی طرح یہ مسلک بھی یکسر خلافِ اسلام ہے کہ مسلمان رنگ، نسل، زبان اور وطن کے اختلاف سے مختلف قوموں میں بٹ سکتے ہیں۔۔۔ صدرِ اوّل میں، اسی نظریہ کی بناء پر دو قوموں کا وجود عمل میں لایا گیا۔۔۔ ایک امتِ مسلمہ (یعنی تمام دنیا کے مسلمان ایک قوم) اور دوسری ملّتِ کافریہ۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد، جب مسلمانوں کی گاڑی اسلام کو چھوڑ کر دوسری پٹڑی پر جا پڑی تو امتِ مسلمہ (یعنی مسلمان قوم) رنگ، نسل، زبان اور وطن کے اختلاف سے الگ الگ قوموں میں بٹ گئی۔ اور ان کی مملکتیں بھی الگ الگ قائم ہو گئیں۔ مسلمانوں کو اس غیر اسلامی نہجِ زندگی پر صدیاں گزر گئیں۔''

نظریۂ پاکستان:

طلوعِ اسلام مارچ 1985ء، ص:4: ''تشتت و انتشار کے عذاب میں گرفتار قوم کی ایک خرابی یہ بھی ہوتی ہے کہ اگر وہ کبھی ان خرابیوں کے ازالہ کی فکر کرے، تو بجائے اس کے کہ ان خرابیوں کے علل و اسباب پر غور کر کے انہیں دور کرنے کی کوشش کرے، وہ ان میں۔۔ ایک اور خرابی کا اضافہ کر لیتی ہے۔۔۔ جس طرح (مثلاً) فرقہ بندی کی خرابیوں کو دور کرنے کا خیال لے کر اٹھنے والا، ایک نیا فرقہ بنا کر بیٹھ جاتا ہے۔ اور پارٹیوں کے پھیلائے ہوئے فسادات کو مٹانے کا دعویدار، ان میں ایک اور پارٹی کا اضافہ کر دیتا ہے۔ چنانچہ لفظ ''اسلام'' کے مفہوم کے عدمِ تعین سے گھبرا کر، قوم نے (بجائے اس کے کہ وہ اس اصطلاح کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کرے)، اب ان اصطلاحات میں ایک اور اصطلاح کا اضافہ کر لیا ہے اور وہ اصطلاح ہے۔۔ نظریہء پاکستان۔۔ اس جدید اصطلاح کو وضع (یا اختیار) کئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ اس کے بھی اتنے ہی مفہوم ہو گئے ہیں جتنے مفاہیم لفظ اسلام کے تھے۔ اب ہر پارٹی نظریہء پاکستان کے تحفظ کی مدعی ہے اور ہر پارٹی دوسری پارٹی سے، اس بناء پر برسرِ پیکار کہ نظریہء پاکستان کے حامل ہم ہیں فریقِ مخالف نہیں۔''

طلوعِ اسلام، جنوری 1973ء، ص: 37:۔ ''ہم نے دیکھا ہے کہ اسلام بہ حیثیت ''دین'' (نظامِ زندگی) اسی صورت میں کارفرما ہوسکتا ہے جب اس کی اپنی آزاد مملکت ہو۔ اگر اپنی آزاد مملکت نہ ہو تو یہ صرف ''مذہب'' کی شکل میں باقی رہ سکتا ہے۔ ہندوستان میں، اسلام مذہب کی حیثیت میں باقی رہ سکتا تھا، ''دین'' کی شکل اختیار نہیں کرسکتا تھا۔ اسے دین کی صورت میں متشکل کرنے کے لئے ہم نے ایک آزاد مملکت کے حصول کا مطالبہ کیا۔ اسی کو نظریۂ پاکستان کہتے ہیں۔ یعنی ایک ایسی مملکت کا حصول جس میں اسلام، ایک عملی نظامِ حیات کی شکل میں کارفرما ہو۔ بناء بریں، نظریۂ پاکستان بھی کوئی ہنگامی تصور نہیں تھا۔ یہ اسلام کا بنیادی تقاضا ہے۔ داعیانِ نظریۂ پاکستان سے مراد وہ لوگ تھے جو اس حقیقت پر ایمان رکھتے تھے کہ اسلام صرف اپنی آزاد مملکت میں ''دین'' کی شکل اختیار کرسکتا ہے۔ اپنی آزاد مملکت نہ ہو تو اس کے دین بننے کا امکان نہیں ہوتا۔ اس صورت میں اسلام مذہب بن جاتا ہے۔ اور اسٹیٹ، سیکولر۔ جو یکسر غیر اسلامی تصور ہے۔''

اسلامی مملکت کی اساس:

(ایضاً، ص: 7): قرآن کریم کی رو سے، اسلامی مملکت کی بنیاد اس حقیقتِ کبریٰ پر ہے کہ اس میں کوئی شخص نہ کسی دوسرے شخص کا محکوم ہوتا ہے نہ محتاج۔ اقبال کے الفاظ میں ؎

کس دریں جا سائل و محروم نیست عبد و مولا، حاکم و محکوم نیست

اس میں حکومت صرف خدا کی ہوتی ہے۔ لیکن یہ اصول، وضاحت طلب ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا خود حکومت کرنے کے لئے تو سامنے نہیں آتا۔ اس لئے سوال یہ پیدا ہوگا کہ خدا کی حکومت کس طرح قائم ہوگی؟۔ ایک حکومت تو شخصی ہوتی ہے یعنی مملکت کا پورا اقتدار ایک شخص کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ وہ جو حکم دے، اس کی اطاعت ضروری ہوتی ہے۔ اس کی مملکت میں نہ کوئی شخص یہ جان سکتا ہے کہ اس (صاحبِ حکومت) نے کل کو کیا حکم دے دینا ہے نہ کسی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے وہ حکم کیوں دیا ہے۔ اس اندازِ حکومت کو ملوکیت کہا جاتا ہے۔ قرآن، اس قسم کی حکومت قائم نہیں کرنا چاہتا۔ اس لئے ''خدا کی حکومت'' بھی ملوکیت کے انداز کی نہیں ہوتی۔ دوسرا اسلوبِ حکومت یہ ہے کہ اطاعت قوانین کی ہو اور قوانین کی غرض و غایت اور علّت و حکمت کا ہر ایک کو علم ہو۔ قرآن، اسی نہج کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لئے، خدا نے ایک ضابطۂ قوانین۔۔۔ دے دیا ہے۔ جس میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ ان قوانین کی حکمت اور غایت کیا ہے۔ اس ضابطۂ قوانین (قرآن) کی اطاعت کا نام ''خدا کی محکومیت'' ہے اور یہی مومن اور کافر کا امتیازی نشان ہے۔ قرآن میں ہے: ۞ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (5:44)۔ ''جو کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے تو یہی لوگ کافر ہیں۔'' اور اس کے بعد، خود رسول اللہ ﷺ سے ارشاد ہوا کہ: فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۔۔۔ (5:48)۔ ''اے رسول ﷺ! تو ان لوگوں میں کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم کر (ان کے معاملات کے فیصلے اس کے مطابق کر) اور جب یہ کتاب (الحق) تمہارے پاس آچکی ہے تو پھر انسانوں کے خیالات

اور آراء کا اتباع مت کر۔'' یہ ہے خدا کی حکومت قائم کرنے (یا اس کی محکومیت اختیار کرنے) کا عملی طریقہ۔ یعنی قرآنی اصول و اقدار کو حکومت کا آئین قرار دینا اور اس کے قوانین و ضوابط کو ملک میں نافذ کرنا۔ یہ وہ بنیادی حقیقت تھی جس کا اظہار علامہ اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ بار بار کرتے رہے۔ یعنی یہ کہ حکومت کا حق خدا کے سوا کسی کو نہیں اور اس کی عملی شکل یہ ہے کہ مملکت میں، ہماری آزادی اور پابندی کے حدود، خدا کی کتاب کے اصول و احکام کی رو سے متعین ہوں۔ بالفاظِ دیگر، نظریہء پاکستان سے مراد ہے، قرآن کی حکمرانی۔

لا الٰہ کا مفہوم:

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ، قرآن نے دین کی اساس و بنیاد اس حقیقت کو قرار دیا ہے کہ حقِ حکومت خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ اس حقیقت کے اظہار کے لئے اس نے ایک جامع فقرہ استعمال کیا ہے اور وہ ہے۔۔ لا الٰہ الا اللہ۔۔ دنیا میں کوئی ہستی (شخص، گروہ یا ادارہ) ایسی نہیں جس کی محکومیت اختیار کی جائے۔۔ بجز اللہ کے۔۔ محکومیت صرف خدا کی اختیار کی جا سکتی ہے۔ ع۔ حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری۔۔۔ لیکن ہماری بدقسمتی کہ جب دین، مذہب سے بدلا تو، قرآن کے دیگر مہمات اصول کی طرح، اس بنیادی کلمہ کے معانی اور مفہوم بھی یکسر بدل گئے۔ اب ان الفاظ کا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے کہ:۔ ''دنیا میں کوئی شے یا ہستی پرستش کے قابل نہیں سوائے اللہ کے۔''۔ دین میں ''الٰہ'' سے مراد صاحبِ اقتدار و اختیار تھا۔۔ مذہب میں اس کا مفہوم ''پرستش کی شے'' ہو گیا۔ اسلام کا اساسی اصول۔۔ لا الٰہ الا اللہ۔ کے مختصر لیکن بے حد جامع الفاظ میں مرتکز ہے اور اسی کو کلمہ یا کلمہء طیبہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس کے معنی اصول محکم کے ہیں۔ جب دین میں اسے کلمہ کہا گیا تھا تو اس سے جو عملی نقشہ سامنے آتا تھا، اس کے متعلق قرآنی تصریحات اوپر پیش کی جا چکی ہیں۔ لیکن اس کے بعد یہی کلمہ ایک رسم بن کر رہ گیا، یا زیادہ سے زیادہ علم الکلام کا ایک مسئلہ۔ (یا اہلِ تصوف کا سرِّ باطن، جنہوں نے وحدت الوجود، کے فلسفہ کی رو سے اس کے معنی یہ کر دیئے کہ دنیا میں کوئی معبود ایسا نہیں جو خود خدا نہ ہو۔ یعنی انسانوں نے جتنے معبود تراش رکھے ہیں، وہ سب خدا ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ معاذ اللہ۔ معاذ اللہ)۔ بہر حال ہم کہہ یہ رہے تھے کہ قرآن نے اسلامی مملکت کے اساسی اصول کو۔ لا الٰہ الا اللہ۔ کے کلمہ سے تعبیر کیا ہے اور اس کا عملی مفہوم یہ ہے کہ مملکت میں اقتدارِ اعلیٰ، قرآن مجید کے احکام و اصول و اقدار کو حاصل ہوگا۔ کسی اور کو نہیں۔ لا الٰہ میں دنیا کے ہر صاحبِ اقتدار شخص یا ادارہ کی نفی کی گئی ہے۔۔ لیکن ہمارے ہاں، جو حضرات اسلامی حکومت کے قیام اور نظریہء پاکستان کے تحفظ کے مدعی ہیں ان میں سے کوئی بھی اس اساس کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے کہ اس اساس پر امتِ واحدہ کی عمارت استوار ہوتی ہے جس میں نہ مذہبی فرقوں کی گنجائش ہوتی ہے نہ سیاسی پارٹیوں کے لئے کوئی جگہ۔۔ نہ جغرافیائی حدود کی بناء پر علاقائی تفریق روا رکھی جا سکتی ہے اور نہ نسلی امتیاز کی بناء پر کوئی تمیز۔ اس میں، ساری کی ساری امت، غیر مسلموں کے مقابلہ میں ایک پارٹی (حزب اللہ) ہوتی ہے۔ جس کے اندر فرقہ سازی یا پارٹی بازی، یا اسی قسم کی کوئی اور تفریق، شرک سمجھی جاتی اور حکمتِ فرعونی قرار پاتی ہے (28:4)۔ یہ وجہ ہے کہ یہ حضرات (لفظ اسلام کی طرح) ''نظریہء پاکستان'' کے الفاظ کو تو اس شد و مد سے دھراتے رہتے ہیں لیکن اس کا متعین مفہوم

کبھی پیش نہیں کرتے۔فرقہ بندیوں اور پارٹی بازیوں میں الجھی اور کھوئی ہوئی قوم،توحیدِ خالص کی طرف آنا ہی نہیں چاہتی۔قرآن کے الفاظ میں (ترجمہ):''ان کی کیفیت یہ ہے کہ جب ان لوگوں کے سامنے، جو آخرت کے منکر ہیں، خدائے واحد کا تصور پیش کیا جاتا ہے تو وہ سخت کبیدہ خاطر ہو جاتے ہیں۔۔۔اور جب خدا کے علاوہ، اوروں کا ذکر کیا جائے تو وہ ہشاش بشاش ہو جاتے ہیں (39:45)۔'' دوسری جگہ ہے کہ اہلِ جہنم سے کہا جائے گا کہ: (ترجمہ) جب تمہیں خدائے واحد کی طرف دعوت دی جاتی تھی تو تم اس سے انکار کرتے تھے۔اور جب اس کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کیا جاتا تھا تو تم اس اسلوبِ حکومت کو صحیح تسلیم کر لیتے تھے، حالانکہ حقیقت یہ تھی (اور ہے) کہ: فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿۱۲﴾ (40:12)۔حکومت صرف خدا کی ہو سکتی ہے۔وہی علو اور کبریائی کا مالک ہے۔سورۂ بنی اسرائیل میں ہے: (ترجمہ) جب تو قرآن میں خدائے واحد کا ذکر کرتا ہے تو یہ لوگ نفرت آگیں انداز سے منہ موڑ کر چل دیتے ہیں۔۔۔چنانچہ آج بھی کیفیت یہ ہے کہ خدائے واحد (یعنی قرآنِ خالص) کی حکمرانی کو نہ ہمارا مذہب پرست حلقہ گوارا کرتا ہے نہ سیکولرازم کا حامی گروہ۔۔۔نہ دیر میں، نہ حرم میں خودی کی بیداری۔۔۔کیونکہ اس سے ان کے مفادات پر زد پڑتی ہے اور ان کے فرقے اور پارٹیاں باقی نہیں رہتیں۔حتیٰ کہ ان کا حقِ حکومت بھی باقی نہیں رہتا۔لیکن ان میں اتنی جراءت بھی نہیں کہ یہ اپنے اس کفر و شرک کا اعلان یا اعتراف کریں۔اس کے لئے انہوں نے ٹیکنیک یہ اختیار کر رکھی ہے کہ اسلام یا نظریۂ پاکستان جیسی اصطلاحات کا مفہوم متعین نہ کیا جائے، انہیں مبہم رکھا جائے۔ہمارے ہاں یہ شعر جو زبان زدِ خلائق ہے کہ:

پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ! معلوم نہیں کہنے والے کے سامنے اس کا وہ مفہوم تھا یا نہیں، جو قرآن کی رو سے، اوپر بیان کیا گیا ہے۔لیکن بات اس نے پتہ کی کہی تھی۔حقیقت یہی ہے کہ پاکستان (یا اسلامی مملکت) کی اساس، لا الٰہ الا اللہ ہے۔اور اس سے مراد ہے۔خدا کی کتاب (قرآن مجید) کی حکمرانی۔یعنی وہ احکام اور قوانین جو ہر زمانے میں قرآنی مقاصد کو پورا کریں اور زمانے کی ضروریات کے مطابق بدلتے رہیں۔یہی نظریۂ پاکستان ہے۔''

پاکستان اور قرآنی نظام: طلوعِ اسلام جنوری 1980ء، صفحہ نمبر: 58: ''آج مملکتِ پاکستان کو ایک نظام کی ضرورت ہے۔ایک ایسے مستحکم، پائیدار اور عالم آراء نظام کی جس کی بدولت جنتِ ارضی کی بساط بچھ جائے۔یہ نظام صرف قرآن کی بارگاہ سے مل سکتا ہے۔اس قرآنی نظام میں نہ مذہبی فرقہ بندی باقی رہ سکتی ہے اور نہ سیاسی پارٹیوں کا وجود۔خدا کے دین میں صدیوں سے بپا کردہ یہ سارا انتشار شرک کے مترادف ہے۔اور قرآنی نظام کے سوا اسے کوئی دوسری تدبیر حل نہیں کر سکتی۔اس نظام میں ''سلطانی و ملّائی و پیری'' کے جذام اور سرسام سے نوعِ انسانی کو کلیۃً نجات مل جاتی ہے۔خالص قوانینِ خداوندی کی اطاعت سے ہر نوعِ غلامی کی زنجیریں ٹوٹ کر رہ جاتی ہیں اور ہر انسان سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہو جاتا ہے۔اس نظام میں دولت و پیداوار کے سرچشموں پر کسی فرد یا گروہ کی اجارہ داری باقی نہیں رہتی۔کوئی فرد دوسروں کی خون پسینے کی کمائی پر عیش نہیں لوٹ سکتا۔اور ہر انسان کا حق: لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ (53:39) کے اصول پر طے پا جاتا ہے۔'' (جاری ہے)

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(قسط دوم)

دوقومی قرآنی نظریہ پر مطالبہِ پاکستان

اِس باب میں آغاز ہی میں وضاحت کرنا مناسب رہے گا کہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ دوقومی قرآنی نظریہ پر مطالبہِ پاکستان کی بنیاد میں بانیانِ پاکستان نے قرآن کو کیا مقام دیا ہے۔

بانیانِ پاکستان کی طرف سے دوقومی قرآنی نظریہ پر مطالبہِ پاکستان کی بنیاد میں قرآن کا مقام کتاب کا عنوان ''دو قومی قرآنی نظریہ پر مبنی مطالبہِ پاکستان'' کا انتخاب کرنے کا فیصلہ قائداعظم کے اس حتمی اعلان کی روشنی میں لیا گیا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ نظریہ پاکستان دراصل نظریہ قرآن ہی ہے۔

اِس کے معنی یہ ہیں کہ دوقومی قرآنی نظریہ پر مطالبہِ پاکستان کی تفہیم کے لئے قرآن ہی اِس کا اصلی اور بنیادی ماخذ ہے، لہٰذا اِس ضِمن میں قرآن کے کردار کا پہلے باب میں بانیانِ پاکستان اور پھر خود قرآن کے بیان کردہ سند کے حوالوں سے تمام زاویوں/ پہلوؤں سے جائزہ لیا جائے گا. اِس دعوٰی کو بالترتیب سبھی تینوں بانیانِ پاکستان نے پیش کیا تھا۔

1۔ سرسید احمد خاں بطور معمارِ مطالبہِ پاکستان

2۔ سرڈاکٹر محمد اقبال بطور مصورِ مطالبہِ پاکستان

3۔ قائدِ اعظم محمد علی جِناح بطور بانی پاکستان

اِن سبھی حضرات کی طرف سے دوقومی نظریہ کی بنیاد پر مطالبہِ پاکستان کے دعویٰ کو قرآن کی سند سے پیش کئے گئے بالترتیب سبھی دلائل کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیا جاتا ہے۔

بانیانِ پاکستان میں سب سے پہلے اِس کے معمار سرسید احمد خان کا موقف سامنے لایا جارہا ہے۔

سرسید احمد خاں کا موقف:

سرسید احمد خان نے قانون سازی میں قرآن ہی کی حیثیت کو اہمیت دیتے ہوئے اِسے ہی رہنمائے حیات اور الحق خیال کرنے میں اپنا واضح موقف اپنی لکھی گئی تفسیر القرآن میں یوں بیان کیا کہ:

جو چیز چاہے کر کے دیکھ لو جب تک تم پھر سے اُس کتاب عظیم (قرآن) کو اپنا رہنمائے حیات نہیں بناتے، زمانے میں اپنا مقام نہیں پاسکو گے۔

وہ قرآن کو ایک مکمل ضابطہ حیات اور الحق سمجھتے ہوئے، دوقومی نظریہ کی وضاحت کے لئے اُسی کی سند پر بھروسہ کرتے تھے اور دیگر خارجی شواہد کو ظن پر مبنی ثانوی سند کا درجہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

میرے نزدیک نہ کوئی کتاب خدا کی کتاب کے سوا غلطی سے پاک ہے خواہ کیسی ہی اصح الکتب نہ سمجھی گئی ہو۔ اس لئے احادیث کی کتب میں دیئے گئے اقوال کو اقوال رسول ﷺ یعنی الحق کا درجہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ منسوب اِلی الرسول ہی کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔

وہ مزید فرماتے ہیں کہ:

''ہم کو ضرور ہے صرف الفاظِ قرآن مجید کے پابند رہیں۔''

وہ اپنی ساری زندگی مسلمان قوم کی نشاتِ ثانیہ کے لئے انتھک کاوشوں سے واضح طور پر نہ صرف علمی بلکہ عملی طور پر بھی بے مثال جدوجہد کرتے رہے۔ اسی مِشن کی پابندی کے تحت اُنہوں نے علی گڑھ مُسلم یونیورسٹی کے قیام کی ابتداء کر کے اُسے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اِسی یونیورسٹی سے فیض یافتہ طالب علموں نے دوقومی قرآنی نظریہ پر مملکتِ پاکستان کے قیام میں بنیادی کردار ادا کیا۔

ترتیب میں دوسرے نمبر پر بانیانِ پاکستان میں اِس کے مصور علامہ اقبال کا موقف بیان کیا جارہا ہے۔

فکرِ اقبال میں دوقومی قرآنی نظریہ پر مطالبہِ پاکستان میں قرآن کا مقام:

ہمارا تاریخی مشاہدہ ہے کہ ہر قوم کی مذہبی جماعتیں عمومی طور پر طاقتور طبقوں (ملوکیت) کی مدد کے لئے کمر بستہ رہتی ہیں۔ اِس لئے یہ باعثِ تعجب نہیں کہ مذہب کے اُس وقت کے نمائندہ جمیعت العلماء ہند کے صدر مولانا حسین احمد مدنی بھی نظریہ پاکستان کی مخالفت میں پیش پیش رہے، وہ متحدہ قومیت کے حامی تھے۔ انہوں نے دین کی بجائے وطنیت کو قومیت کی اساس بتایا، اس لئے علامہ اقبال ان سے سخت اختلاف رکھتے تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی، جمیعت العلماء ہند کے صدر کے بارے میں انہوں نے درج ذیل قطعہ لکھا کہ

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ — زِ دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است — چہ بے خبر زِ مقام محمدؐ عربی است
بہ مصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست — اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

یعنی ابھی تک غیر عرب دین کی غایت سے واقف نہیں۔ دیوبند جیسے مذہبی ادارہ میں حسین احمد کا وجود کیسا تماشا ہے۔ اُس نے منبر پر یہ کیسا راگ چھیڑا کہ ملت (قومیت) کا مدار وطن (جغرافیائی حدود) سے مشروط ہے۔ یہ (شخص) حضرت محمد ﷺ کے مقامِ فضیلت (ہجرت) سے کس قدر بے خبر ہے۔ محمد ﷺ کے مقام تک رسائی حاصل کر، کیونکہ دینِ اسلام کی اساس حضور ﷺ ہی ہیں۔ اگر تو وہاں تک نہیں پہنچ پاتا، تو تیرے تمام اعمال بولہبی (کفر اور اسلام دشمنی کی علامت) ہیں۔

یہ لوگ جو مکے کی تیرہ سالہ زندگی کی مصیبتیں جھیلنے کے بعد اپنا سب کچھ وہاں چھوڑ کے خدا کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے مدینے میں آ گئے، پھر اس کے بعد مسلسل سعی و کاوش سے جدوجہد سے بلکہ میدانِ جنگِ بدر میں آ کر سر بکف میدانِ جنگ میں آ کے انہوں نے اپنے ایمان کی شہادتیں دیں۔ اور یہ مدینے والے کہ جنہوں نے اس طرح سے بے سروسامان آنے والوں کو پناہ دی ان کے لیے سہارے بہم پہنچائے۔ اب یہ دنیا کی ساری نسبتیں قومیت کی، نسلوں کی، خون کے رشتے، یہ سارے کٹ گئے اور یہ ایک دوسرے کے بھائی اور دوست بن گئے۔ مقصد کی وحدت کی بناء پر یہ ایک نئی امت کی تشکیل ہو رہی ہے۔ ہجرت کرنے والے خدا کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے یہاں آئے، مدینہ کے انصار نے بھی ان کی مدد کی۔ پھر یہ دونوں ملے اور میدانِ جنگ تک چلے گئے۔ یہ ہیں جواب ایک دوسرے کے دوست اور بھائی بنے ہیں۔ ہجرت صرف وطن کے چھوڑنے کا نام نہیں ہے۔ قوانین خداوندی کے مقابلے میں ہر قسم کی کشش و جاذبیت کو چھوڑ دینا بھی ہجرت ہے۔

قرآن کے مقام کی اہمیت علامہ اقبال نے سید سلیمان ندوی کے نام اپنے خط میں یوں واضح کی کہ:

قرآن کامل کتاب ہے اور یہ خود اپنے کمال کی مدّعی ہے، لیکن ضرورت ہے کہ اِس کے کمال کو عملی طور پر ثابت کیا جائے کہ سیاسیاتِ انسانیہ کے لئے تمام ضروری قواعد اس میں موجود ہیں، اور اِس میں فلاں فلاں آیت سے فلاں فلاں قواعد کا استخراج ہوتا ہے۔

علامہ اقبال کے کلام کی یہ حقیقت ہے کہ ان کا پورا پیام، قرآن حکیم ہی کی تعلیم کی تفسیر ہے۔ اسرار و رموزِ خودی، اُن کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ اِس میں وہ اِس حقیقت کا اظہار خود رسولِ اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ایک التجا کرتے ہوئے کرتے ہیں کہ:

گر دِلم آئینۂ بے جوہر است ور بحرفم غیرِ قرآں مضمر است
پردۂ ناموسِ فکرم چاک کُن ایں خیاباں را ز خارم پاک کُن

اگر میرا دِل بے جوہر آئینہ ہے اور میرے کلام میں غیر از قرآن شامل ہو گیا ہو تو میری فکر کے پردۂ ناموس کو چاک کر دے اور اِس خیابان کو میرے اِس کانٹے سے پاک کر دے۔

یہیں تک نہیں بلکہ:

روزِ محشر خوار و رسوا کُن مرا بے نصیب از بوسۂ پاکُن مرا

یعنی اے رسول اللہ ﷺ اگر میرے پیغام میں قرآن کے سوا کچھ اور ہے، تو روزِ محشر مجھے اپنے پاؤں کے بوسہ سے محروم کر دیجئے۔

یہاں اِس بات کو ملحوظِ نگاہ رکھنا ضروری ہے کہ علامہ اقبال کی ایک ہی خواہش (Life time wish) رہی ہے کہ روزِ محشر اُنہیں رسول ﷺ کے پاؤں کا بوسہ لینا نصیب ہو جائے۔ اِس سے فکرِ اقبال کا سرچشمہ کھُلے کھُلے الفاظ میں سامنے آ جاتا ہے اِس حقیقت کا اعلان علامہ اقبال نے اپنے مخصوص انداز میں یوں بھی کیا ہے کہ:

گر تو می خواہی مسلمان زیستن نیست ممکن جُز بہ قرآن زیستن

یعنی اگر تم مسلمان کی زندگی گزارنے کے خواہش مند ہو (جیسا کہ مطالبہ پاکستان میں ہمارا دعویٰ تھا) تو قرآن کی ہدایت سے باہر زندگی گزارنے کا خیال ہی ناممکن ہے۔

ظاہر ہے کہ مسلمان کی زندگی گزارنے کی تمنا کرنے والے قرآنی تعلیم پر مبنی اسلامی نظام میں ہی ایسا کر سکتے ہیں اور یہی وہ بنیاد ہے جس کی بِنا پر دوقومی قرآنی نظریہ پر مطالبہِ پاکستان کیا گیا۔

سرسید احمد خاں کی طرح اِس واضح اور دوٹوک موقف کے بعد مناسب یہی ہوگا کہ اب بانی پاکستان قائداعظم کا موقف ذرا تفصیل سے سامنے لایا جائے۔

قائدِ اعظم کا اسلامی نظام کے قیام کے لئے دوقومی قرآنی نظریہِ پر مطالبہِ پاکستان کا موقف:

قائداعظم نے واضح طور پر دوقومی قرآنی نظریہ پر مطالبہِ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کی وضاحت 19 اگست 1941ء میں عثمانیہ یونیورسٹی کے طلباء کو (بحوالہ روزنامہ انقلاب، مورخہ 8 جنوری 1942ء) انٹرویو دیتے وقت اِن خطوط پر کی کہ:

"It is the Quranic Provision which Determine the limits of our freedom and restrictions in political and social spheres. in other words Islamic State is an agency for enforcement of Quranic principles and injunctions"

یعنی قرآن کے احکام ہی سیاست اور معاشرت میں، ہماری آزادی اور پابندیوں کی حدود متعین کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں، اسلامی حکومت قرآنی اصول واحکام کی حکمرانی کے لئے ایک ایجنسی ہے۔

ظاہر ہے کہ حکمرانی کے لئے آپ کو علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہوتی ہے اور مملکت کی راہنمائی کے لئے جس قسم کی ہدایات کی ہمیں ضرورت ہوتی ہے یا پڑسکتی ہے، وہ سبھی قرآن میں بیان کردی گئی ہیں۔ اس امر کی طرف قائداعظم نے رسول اکرم ﷺ کے حوالے سے اپنے 1945ء کے عید کے پیغام میں راہ نمائی کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

"Everyone, except those who are ignorant, knows that the Quran is the general code of the Muslalmans. A religious, Social, Civil, Commercial, Milittary, Judicial, Criminal Penal Code. It regulates everthing from the ceremony of religion to those of daily life, from the salvation of the soul to the health of body, from the rights of all, to those of individuals, from, the morality to crime, and our Prophet (PBUH) has enjoined on us that every Muslman should possess a copy of Quran and be his own priest, Therefore Islam is not confined to the spiritual tenants and doctrines and rituals and ceremonies. It is a complete code regulating the whole Muslim Society in every department of life, collective and individually"

یعنی اس حقیقت سے سوائے جہلاء کے، ہر شخص واقف ہے کہ قرآن مسلمانوں کا بنیادی ضابطہء زندگی ہے، جو معاشرت، مذہب، تجارت، عدالت، دیوانی، فوجداری اور تعزیرات کے ضوابط اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ مذہبی تقاریب ہوں، یا روز

مرہ کے معمولات، روح کی نجات کا سوال ہو یا بدن کی صفائی کا، اجتماعی حقوق کا سوال ہو یا انفرادی واجبات کا، عام اخلاقیات ہوں یا جرائم، دنیاوی سزا کا سوال ہو یا آخرت کے مواخذہ کا، ان سب کے لئے اس میں قوانین موجود ہیں۔ اسی لئے رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا تھا کہ ہر مسلمان قرآنِ کریم کا نسخہ اپنے پاس رکھے اور اِس طرح اپنا مذہبی پیشواء خود بن جائے۔ اسلام صرف روحانی نجات اور مذہبی رسوم و پوجا پاٹ تک محدود نہیں ہے، یہ مسلم معاشرہ کی پوری سوسائٹی کے لئے مکمل ضابطۂ حیات ہے، خواہ وہ فرد پر لاگو ہوتا ہو یا پورے اجتماع پر۔''

قائدِ اعظم نے دوقومی قرآنی نظریہ پر مطالبہِ پاکستان میں متعدد بار اپنے خطابات میں قرآن کو پاکستان کے آئین کا درجہ دینے کی وضاحت میں فرمایا کہ:

بعض لوگ مجھ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلام کیا ہے؟ یہ لوگ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ مَیں اسلام سے ناواقف ہوں۔ مَیں نے قرآنِ کریم کو بار بار بغور پڑھا ہے اور جب مَیں نے یہ کہا تھا کہ پاکستان میں اسلامی نظام قائم ہوگا تو یہ محض ادعائی اور بڑ نہیں تھی۔

(طلوع اسلام فروری 59، صفحہ 70)

بعض لوگ اُن کے موقف پر اعتراض کرتے تھے کہ اسلامی نظام کی تشریح میں مسلمان قوم کئی فرقوں میں بٹی ہوئی ہے اور اِن کی موجودگی میں آپ کیسے ایک متفقہ آئین کا نفاذ کر سکیں گے تو وہ وضاحت میں فرماتے کہ

''جب ہمارے پاس قرآن کریم ایسی مشعلِ ہدایت موجود ہے تو پھر ہم اس کی روشنی میں اُن اختلافات کو کیوں نہیں مٹا سکتے۔''

(پیغامِ عید، 13 نومبر 1945ء)

اس حقیقت سے ہر مسلمان باخبر ہے کہ قرآن کے قوانین صرف مذہبی اور اخلاقی حد تک محدود نہیں۔ گبن ایک مقام پر لکھتا ہے کہ:

بحرِ اطلانطک سے لے کر گنگا تک ہر جگہ قرآن کو ضابطہ حیات کے طور پر مانا جاتا ہے جس کا تعلق صرف الٰہیات تک نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے لئے سِول اور فوجداری قوانین کا ضابطہ ہے جس کے قوانین نوع انسان کے تمام احوال و اعمال کو محیط ہیں اور منشائے خداوندی کے مظہر ہیں۔

(تقاریر و تحریراتِ جناح، حصہ دوم، صفحہ: 405)

اسی لئے 1943ء میں صوبہ سرحد کی مسلم طلباء کی خواہش پر کہ وہ اُنہیں کوئی پیغام دیں، فرمایا کہ:

"You have asked me to give a message. What message can I give you? We have got the great message in the Quran for our guidance and enlightenment"

یعنی تم نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہیں کوئی پیغام دوں۔ میں تمہیں کیا پیغام دوں، جبکہ ہمارے پاس پہلے ہی ایک عظیم

پیغام موجود ہے، جو ہماری راہ نمائی اور بصیرت افروزی کے لئے کافی ہے۔ وہ پیغام ہے، خدا کی کتابِ عظیم، قرآنِ کریم۔

قائداعظم کے موقف سے غیر مسلم بھی بخوبی آگاہ تھے۔ اسی لئے ایک جرمن سکالر پروفیسر ڈاکٹر Krahman نے کہا کہ:

قائداعظم محمد علی جناح کے سامنے ماڈل، قرآن مجید تھا۔

یہ امر البتہ تکلیف دہ ہے کہ ہمارے زمانے میں دوقومی قرآنی نظریہ پر مطالبہِ پاکستان کا مفہوم سمجھنے میں بہت سے تضادات اور اختلافات کا چرچا ہوتا رہتا ہے۔ لہذا آغاز ہی میں واضح کرنا چاہوں گا کہ یہ تضادات اور اختلافات اِن بانیانِ پاکستان کی سوچ کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ زیادہ تر روائتی مذہبی مُتقدمین کی اِس فکر سے چلے آرہے ہیں کہ قرآن کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے قرآن کے علاوہ دوسرے خارجی علوم کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ مُتقدمین کی اس قدیم مذہبی روش سے قرآن کے فہم میں جو تضادات اور اختلافات پیدا ہو گئے ہیں، علمی انداز میں ان کے اعتقادانہ روش کے نتائج کا جائزہ لیتے ہوئے اِن کو باطل سے، پاک کرنے کا بیڑا خود بانیانِ پاکستان نے قرآن کے موقف کی روشنی میں اُٹھایا، جس کا جائزہ لینے کی اِس باب میں کوشش کی جارہی ہے۔

اِس بحث کا آغاز کرتے ہوئے ہی مشہور مغربی مُفکر والٹیر کا قول یاد کرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ حق کی تلاش میں بات شروع کرنے سے پہلے اپنے الفاظ اور اصطلاحات سے جو آپ مفہوم اخذ کر رہے ہوتے ہیں، اُس کی وضاحت ضروری ہوتی ہے تاکہ باضابطہ اصطلاحی مفہوم بیان کر کے اُس کی روشنی میں بات سمجھنے میں دوسرے کو آسانی مہیا کی جا سکے۔ لہذا میری طرف سے موضوع سے متعلقہ جو اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں، وہ وہی ہیں جو آج کل نصابی کُتب میں مروج لغوی، علمی، تحقیقی، تنقیدی اور منطقی اندازِ فکر اپناتے ہوئے مستند ترین مآخذ میں دی گئی ہیں۔ لہذا حقیقت کی رسائی کے حصول میں انہیں اِنہی اندازِ فکر سے اخذ کئے ہوئے معانی کو سامنے رکھ کر سمجھنا ہوگا۔

اِس باب ہی میں قدرے تفصیل سے جائزہ لیا جاتا ہے کہ کیا قرآن اِس کی اہلیت رکھتا ہے کہ بغیر خارجی امداد کے خود ہی دوقومی قرآنی نظریہ کی پوری طرح وضاحت کر سکے؟ لہٰذا جواب میں ہماری ہر مُمکن کوشش ہوگی کہ قرآن ہی کی اصطلاحات کے مفہوم کی روشنی میں تلاش کیا جائے۔

قرآن کا لغوی مفہوم:

قرآن: قرآن کا مادہ ق۔ر۔أ ہے۔ ابن فارس کے مطابق قرأ کے بنیادی معنی ہیں جمع کرنا۔

زجاج نے کہا ہے کہ قرآن بھی قراء سے فعلان کے وزن پر مصدر ہے۔ اس کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ قرآن کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ وہ سورتوں کو جمع کرتا ہے، اور انہیں ایک دوسرے سے ملاتا ہے۔

ابن الاثیر نے کہا ہے کہ کتاب اللہ کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ اس نے اپنے اندر قصص، امر، نہی، وعدہ، وعید، اور آیات اور سورتوں کو باہمد گر جمع کر دیا ہے۔

راغب نے کہا ہے کہ اس کا نام قرآن اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ خدا کی تمام نازل کردہ کتابوں کے ثمرہ کو اپنے اندر جمع کئے ہوئے ہے، بلکہ تمام علوم کے ماحصل کو اپنے اندر جمع کئے ہوئے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ:

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۚ (75:17-18)

اس کا جمع کرنا اور حفاظت سے رکھنا (جس طرح رحم میں تخم حفاظت سے رکھا جاتا ہے) ہمارے ذمہ ہے۔

اللہ کی قرآن کو جمع اور محفوظ کرنے کی ذمہ داری کی وضاحت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم خود رسول اللہ نے فرمانِ خداوندی کی پیروی میں اِسے اپنی زندگی ہی میں جمع و مرتب کر دیا تھا اور یہ محفوظ شکل میں وجود میں آچکا تھا۔ لہٰذا روایات کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اسے منتشر شکل میں چھوڑ گئے تھے، اور اسے بعد میں یکجا کیا گیا تھا۔ علاوہ دیگر شواہد، خود لفظ قرآن اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ جمع شدہ (کتاب کی) شکل میں تھا۔

اَلْقِرأۃُ: حروف اور الفاظ کو ایک دوسرے کے ساتھ ملانے اور جمع کرنے کو کہتے ہیں۔ ابن عباس نے فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ کے معنی اس پر عمل کرنے اور اس کی پیروی کرنے کے بتائے ہیں۔

بعض کا خیال ہے کہ قرأ عبرانی لفظ ہے، جس کے معنی اعلان کرنے کے ہیں۔ اس اعتبار سے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ (96:1) کے معنی ہوں گے تُو اپنے نشوونما دینے والے کی صفت ربوبیت کا عام اعلان کر دے۔ یہ وہی چیز ہے جسے سورہ مدثر میں قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ (74:2-3) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے قرآن کے معنی اعلانِ عام کے ہوں گے۔

قرآن کے لفظ کی اصطلاح خود قرآن کی اصطلاح ہے، لہٰذا اِس کا اصطلاحی مفہوم خود قرآن ہی کا متعین کردہ منطقی، علمی اور تحقیقی اصولوں پر مستند ترین تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

قرآن کا خود ہی کا مرتب و متعین کردہ اصطلاحی مفہوم:

قرآن مجید نے اپنے اندر کئی الفاظ کو بطور اصطلاح استعمال کیا ہے ان کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے اصطلاحی مفہوم و مصداق تعیین کا طریقہ کیا ہے؟ اس میں تین صورتیں ممکن ہیں:

(1) اصطلاح چونکہ قرآن مجید کی ہے اس لیے اللہ پاک کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود اپنی وضع کردہ اصطلاح کی مفہوم کا تعین کریں جیسا کہ وضع الاصطلاح کا تقاضا ہے کہ جو بھی کوئی اصطلاح وضع کرے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ خود یہ بھی بیان کرے کہ اس نے کس مفہوم و مصداق کو اس میں مراد لیا ہے۔ کیوں کہ اس اصطلاح کے وضع نہ کرنے والے کو کیا پتہ کہ وضع کرنے والے نے اپنی اس اصطلاح کو کس مفہوم کے لیے وضع کیا ہے۔ اور قرآن مجید میں ہے کہ اللہ کا کلام اپنی تفسیر اور تفصیل آپ ہے یعنی کہ قرآن نے اپنے احکامات اور اصطلاحات کی وضاحت خود کر دی ہے۔

(2) اصطلاحات قرآنیہ کی اصطلاحی مفہوم کی تعیین آپ ﷺ فرمائیں گے اس میں دو صورتیں ممکن ہیں:

پہلی صورت میں آپ ﷺ ان اصطلاحات کا مفہوم قرآن ہی سے اخذ کر کے بیان کریں۔ ظاہر ہے یہ وہی پہلی صورت

ہے کیوں کہ اس صورت میں آپ ﷺ کی طرف سے قرآنی اصطلاح کا مفہوم قرآن مجید سے ہی ماخوذ ہے، اِس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا بیان قرآن میں موجود ہونا لازم ہے اس صورت میں مفہوم کی تعیین آپ ﷺ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ تعیین تو خود اللہ کی طرف سے ہے آپ ﷺ کی طرف سے صرف بیان اور اظہار ہے۔ بہرحال یہ پہلی ہی صورت ہے۔

دوسری صورت میں آپ ﷺ نے کسی اصطلاح قرآن کی مفہوم کی تعیین قرآن کی بنیاد پر نہیں کی ہے بلکہ اپنی طرف سے کی ہے اس میں پھر دو صورتیں ممکن ہیں:

اِس کی پہلی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصطلاحی مفہوم ''وحی خفی'' کی بنیاد پر متعین فرمائی ہے۔ لیکن یہ صورت قطعاً نا قابل قبول ہے کیوں کہ وحی خفی کا نہ وجود ہے نہ ثبوت۔ یہ صورت تب قابل قبول ہوسکتی ہے جب پہلے اس دوسری وحی کا نزول آپ ﷺ پر ثابت کیا جائے۔ اور اس قسم کی خفیہ وحی کا نزول آپ ﷺ پر قرآن مجید سے ثابت نہیں ہے۔ اور وحی خفی کے ثبوت کے ساتھ یہ صورت اس وقت صحیح اور قابل تسلیم بنتی ہے جب یہ بھی حتمی طور پر ثابت کیا جا سکے کہ آپ ﷺ نے اس مفہوم کو اس طرح بیان فرمایا ہو کہ یہ مفہوم وحی مُنزّل کی بنیاد پر ہے کیوں کہ اس تصریح نبوی کے بغیر یہ بات مشکوک رہے گی کہ آپ ﷺ نے یہ مفہوم وحی خفی کی بنیاد پر بیان فرمائی یا خود اپنے اجتہاد کی بنیاد پر، بلکہ اس تصریح نبوی کے بغیر اس مفہوم کو وحی خفی کا مفہوم کہنا اللہ کی ذات پر جھوٹ باندھنا ہے

اِس کی دوسری صورت میں آپ ﷺ نے اصطلاحات قرآنیہ کے مفہوم کی تعیین وحی کی بنیاد پر نہیں بلکہ اپنے اجتہاد، اور ذاتی سوچ وفکر اور مرضی کی بنیاد پر متعین فرمائی ہے۔ یہ صورت بھی کئی وجوہات کی بنیاد پر بدیہی البطلان ہے مثلاً:

(1) اصطلاحات قرآنیہ دین کی بنیاد ہیں۔ پورے دین کے مرکزی مفاہیم ان ہی اصطلاحات کی بنیاد پر قائم ہیں۔ اگر ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں تو گویا ہم دوسرے الفاظ میں یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی طرف سے اپنا دین بنا کر امت کے سامنے پیش کر دیا اور اللہ کے نبی اس طرح قطعاً نہیں کر سکتے۔ قرآن مجید کی کئی آیات اُن کے ایسا نہ کرنے کی اِس بات کی تائید کرتی ہیں۔ ویسے بھی یہ کس طرح ممکن ہے ہے کہ اللہ کا نبی اللہ کی طرف وہ بات منسوب کرے جو اللہ نے اپنے نبی سے کی ہی نہیں۔

نہ آپ ﷺ عالم الغیب تھے اور نہ ہی اللہ کی مراد ان اصطلاحات سے کیا ہے ان پر اپنی طرف سے اطلاع پا سکتے تھے اللہ کے بتائے بغیر نہ ہی اللہ نے آپ ﷺ کو یہ اختیار دیا تھا کہ آپ ﷺ اپنی مرضی سے اپنا دین وضع کریں جزوی یا کلی طور پر اور اس کو اللہ کی طرف منسوب کر دیں اگر اس بات کو تسلیم کیا جائے تو پھر یہ اللہ کا نہیں محمد ﷺ کا ذاتی وضع کردہ دین بن جاتا ہے۔

لہٰذا آخری اور تیسری صورت یہ بنتی ہے کہ:

(3) قرآن مجید کی اصطلاحات کی مفہوم کی تعیین نہ اللہ نے کی نہ اللہ کے رسول ﷺ نے کی بلکہ کسی انسان یا انسانوں نے کی ہے۔ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ صورت باالبداہت باطل ہے۔

قرآن مجید کے علاوہ غیر از قرآن سے قرآنی اصطلاحات کی مفاہیم کو اخذ کرنے کی ساری صورتیں اس وقت قابل قبول ہوسکتی ہیں جب پہلے یہ تسلیم کیا جائے اور ثابت کیا جائے کہ قرآن مجید نے خود اس کو بیان نہیں فرمایا اور قرآن ناقص اور مبہم اور دین کے معاملے میں نامکمل اور خارج از قرآن سہاروں کا محتاج ہے۔

قرآن مجید کی اصطلاحات کی اصطلاحی مفہوم کی تعیین تواتر، تعامل یا توارث سے نہیں ہوتی۔ تواتر صرف ایک نقل کا ذریعہ ہے۔ اس لیے اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ قرآن مجید کی اصطلاحات کی اصطلاحی مفاہیم کی تعیین تواتر سے ہوگی تو وہ بات کو الجھا رہا ہے۔ تواتر اپنی ذاتی حیثیت میں نہ تو حق کا بیان ہے اور نہ ہی تواتر یہ کام کرتا ہے، بلکہ وہ صرف نقل کرتا ہے جو بیان کا ایک ذریعہ ہے۔

جو احباب دین میں صرف قرآن مجید کو حجت سمجھتے ہیں اور دین کو قرآن مجید کے اندر مکمل یقین کرتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ قرآن مجید کی اصطلاحات کے مفاہیم کو قرآن مجید سے ہی سمجھنے کی کوشش کریں۔

قرآن سمجھنے کا صحیح طریق یہ ہے کہ اس کے بعد کے مفہوم کو صرفِ نظر کر کے دیکھا جائے کہ جس زمانے میں قرآن نازل ہوا تھا اس وقت ان الفاظ کے مطالب کیا تھے جو قرآن میں آئے ہیں۔ اس کے بعد یہ دیکھ لیا جائے کہ قرآن میں وہ لفظ کس کس جگہ استعمال ہوا ہے اس طرح محاورہ عرب اور تصریفِ آیات سے قرآن کی مجموعی تعلیم سے استفادہ کر کے قرآن کا صحیح مفہوم ہمارے سامنے آجائے گا۔

قرآن ہی کا بیان کردہ قرآن کے لفظ کا اصطلاحی مفہوم:

قرآن وہ ضابطہء حیات ہے، جس کی درج ذیل اہم صفات کی نشاندہی خود لفظ قرآن کا نام لے کر قرآن کریم نے اس کے اصطلاحی مفہوم کی وضاحت کی ہے۔

1۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ﴿4:82﴾

''کیا تم قرآن پر تدبر نہیں کرتے۔ اگر یہ خدا کی بجائے کسی اور کا کلام ہوتا، تو اس میں بہت سے اختلافات پائے جاتے۔''

قرآن کی تفہیم کے لئے یہاں ایک اصول کی نشاندہی کی کہ:

2۔ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّکَّرُوْا ؕ ﴿17:41﴾

''اور ہم قرآن میں (تبیانِ حقیقت کے لئے) صاف پیرائے میں گوشوں کو پھرا پھرا کر سامنے لاتے ہیں، تاکہ حقائق بالکل واضح ہوجائیں۔''

رسول ﷺ کو تاکید کی جاتی ہے کہ:

3۔ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ (50:45)

''تو (اے رسول!) ان کے سامنے قرآن پیش کرتا جا۔ اس سے وہ شخص نصیحت حاصل کرے گا، جو ہمارے (قانون مکافات) کی کارفرمائی سے ڈرتا ہے۔''

یہاں ایک خوشخبری بھی سنائی کہ:

4۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ (54:17)

''ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے بڑا آسان بنا دیا ہے۔ سو ہے کوئی جو اس سے نصیحت حاصل کرے؟''

اِس نصیحت کے حصول کے لئے شرط بھی رکھ دی کہ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (56:79) ''اس کے حقائق سے وہی لوگ مستفید ہو سکتے ہیں، جنہیں قلب و دماغ کی پاکیزگی حاصل ہو''۔

قرآن سے وابستگی اور ہر حالت میں تمسک رکھنے کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

5۔ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (10:15)

جب ان لوگوں کے سامنے ہمارے واضح قوانین پیش کئے جاتے ہیں، تو جو لوگ ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتے، وہ کہتے ہیں کہ یا تو تم اس قرآن کی جگہ دوسرا قرآن لاؤ۔ اور یا پھر اس میں کچھ ردّ و بدل کر دو۔ ان سے کہہ دو (اے رسول!) کہ یہ چیز میرے حیطۂ اختیار سے باہر ہے کہ میں اپنی طرف سے کسی قسم کا ردّ و بدل کر سکوں۔ اگر میں اپنے نشوونما دینے والے کے احکام سے سرتابی کروں، تو

اس کا قانون مکافات مجھے بھی نہیں چھوڑے گا۔ اس لئے میں اس کی گرفت سے ڈرتا ہوں۔

اِس تحفظ کا احساس بھی دِلا دیا گیا کہ

6۔ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (15:9)

ہم نے ہی قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

خدا کی طرف سے نازل کیا ہوا تضادات اور اختلافات سے پاک قرآن ہمارے سامنے محفوظ اور اپنی اصلی اور مکمل شکل میں موجود ہے جو اپنے مقاصد کی ترجمانی کی وضاحت میں کسی کا مُحتاج نہیں ہے۔

قرآن میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ اِس کو سمجھنے کے لئے ہم نے آسانیاں بھی فراہم کر دی ہیں۔

اِن آسانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ:

7۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝ (12:2)

''ہم نے عربی قرآن کو اِس لئے نازل کیا کہ تم اچھی طرح سمجھ بوجھ سے کام لے سکو۔''

یعنی قرآن کے علاوہ کسی دوسرے ذرائع کی محتاجی سے مُستغنی کر دیا ہے۔ اَلعَرَبِی کے لغوی معنی واضح کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔

اِس مفہوم کی تائید قرآن کی وضاحت سے بھی ہوجاتی ہے۔

8۔ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۝ (39:28)

اِس مقصد کے لئے ہم نے قرآن کو صاف اور غیر مبہم زبان (عربی) میں نازل کیا ہے۔ اِس میں کسی قسم کا پیچ وخم اور ابہام نہیں تاکہ یہ لوگ زندگی کے خطرات سے بچ کر چلیں۔

یہاں اِس بات کی وضاحت کی جاتی ہے کہ صِرف قرآن رسول کریم ﷺ پر وحی کیا گیا ہے تاکہ وہ لوگوں کو اس سے ابلاغ اور تنذیر کریں۔

9۔ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (19:6)

اور میری طرف وحی کیا گیا یہ قرآن ہے تاکہ میں تمہیں اور جن کو وہ پہنچے، اس کے ساتھ ڈراؤں۔

مندرجہ بالا خصوصی طور پر کُم (تُم جمع مخاطب) کے صیغہ سے قرآن کریم کے انذار کا دامن، سب قوموں اور تمام زمانوں پر، قیامت تک پھیلا دیا گیا ہے۔

قرآن نے یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے ہیں تو کیا ہوا؟ وہ کتاب تو اپنی اصلی حالت میں ہمارے پاس موجود ہے جس کی رو سے نبی اکرم ﷺ نے فرائض رسالت ادا کیے تھے۔ اب اور جب، جو اقوام اس کتاب کی طرف رجوع کریں گی ان کو ہدایت مِل جائے گی۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۝ (89:16)

1۔ دین کی باتوں کی وضاحت ملے گی، ''تِبیاناً''،

2۔ ہدایت ملے گی ''وَھُدًی''،

3۔ رحمت ملے گی ''وَرَحم'' اور

4۔ بشارتیں ملیں گیں ''وَلِبُشریٰ''

یعنی یہ چار چیزیں اس کتاب نے امّت کو رسول اللہ ﷺ کے دور میں دیں تو جو قوم بھی اس کتاب کی طرف رجوع کرے گی، اس کو بھی یہی چاروں چیزیں اس کتاب سے ملیں گی۔ ویسے تو پوری کتاب ہدایت کا مجموعہ ہے لیکن یہاں قرآن کا لفظ لا کر چند اصولی اقدار بیان کی گئی ہیں کہ اس کتاب نے تمہیں کیا کچھ بنانا ہے؟

قرآن کی طرف اشارہ کرنے والے الفاظ سے قرآن کے اصطلاحی مفہوم کی وضاحت:

قرآن کا لفظ استعمال کئے بغیر قرآن کی طرف اشارہ کرنے والے الفاظ سے اُس کی صِفات بیان کرتے ہوئے بھی قرآن کے اصطلاحی مفہوم کی وضاحت کی گئی ہے کہ:

1۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ (2:2)

یہ (قرآن) وہ کتاب ہے کہ، جس میں کوئی بات بھی، مشکوک، قلبی اِضطراب، غیر یقینی اور نفسیاتی اُلجھن پیدا کرنے والی نہیں ہے۔

اس میں واضح، ابھری ہوئی اور روشن راہ نمائی ہے، اُن لوگوں کے لئے، جو دنیا و آخرت کے سفرِ زندگی کو محفوظ رکھنے کے لئے غلط روش کے مضرات سے بچنے کے لئے محتاط انداز اختیار کرتے ہیں۔

اسی راہنمائی کا اتباع کرنے کی تاکید کرنے پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ

2۔ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (7:3)

''تم (مومنین) اس (قرآن) کا اتباع کرو، جسے تمہارے نشوونما دینے والے نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اور اس کے علاوہ دیگر کا اتباع نہ کرو۔''

اسلامی نظام کی تشریح کرتے وقت دیگر کا اتباع نہ کرنے سے صِرف قرآن پر انحصار کرنے کی روش بانیانِ پاکستان کے موقف سے بھی مَیل کھاتی ہے اور اس روش کو حضرت عمرؓ سے ایک روایت میں منسوب کیا گیا ہے کہ جس میں آپ نے فرمایا تھا:

''حسبنا کتاب اللہ''

یعنی ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔

اس بات کی تائید قرآن سے بھی ہوتی ہے کہ:

3۔ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ (29:51)

اِن سے کہو کہ کیا تمہارے لیے کافی نہیں کہ خدا نے میری وساطت سے تُمہاری طرف الکِتاب بھیجی ہے جس کی تُمہاری طرف تلاوت ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے ہیں تو کیا ہوا؟ وہ کتاب تو اپنی اصلی حالت میں ہمارے پاس موجود ہے جس کی رو سے نبی اکرم ﷺ نے فرائض رسالت ادا کیے تھے۔ جو اقوام اس کتاب کی طرف رجوع کریں گی ان کو ہدایت مِل جائے گی۔

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
www.azharabbas.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قانون کی سے استثناء

اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کے لیے رزق اور ہدایت کی فراہمی اپنے اوپر لی ہے۔(87:3،11:1) اس طرح انسانوں کی طبعی ضروریات بھی پوری ہوتی رہیں، اور انسانیت کی ہدایت بھی ہوتی رہی۔ اسی وجہ سے شروع دن سے ہی اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی بعثت کا سلسلہ جاری کیا اور بعثت انبیاء کے اس سلسلہ کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت پر ایک احسان فرمایا ہے (3:164) ہر نبیؑ کے ساتھ ہدایت کا ایک آئین ودستور آتا تھا۔ ہر نبیؑ اس آئین ودستور کے مطابق ایک نظام قائم کرتا تھا۔ نبیؑ کے انتقال کے بعد اس کی وحی میں آمیزش ہوجاتی تھی، اور وہ نظام درہم برہم ہوجاتا تھا تو ایک نیا نبی اپنی وحی کے ساتھ مبعوث ہوتا تھا اور اس طرح اللہ تعالیٰ، اپنی وحی منزہ شکل میں پھر عطا کر دیتا تھا۔ شروع میں معاشرے سادہ ہوتے تھے۔ اس لئے اس نبی کی وحی میں اصول وجزئیات دونوں ہوتی تھیں۔ جوں جوں معاشرے ترقی کرتے گئے اصول زیادہ ہوتے گئے اور جزئیات کم ہوتی گئیں۔ جب انسانیت بالغ ہوگئی تو وہ کتاب عطا کی گئی جس میں اصول زیادہ تھے اور جزئیات ہر زمانہ کے معاشرے کے لیے چھوڑ دی گئیں، کہ ہر معاشرہ اپنی ضروریات کے مطابق جزئیات مقرر کرتا چلا جائے۔

یہ انبیاء کرامؑ صرف زبانی وعظ وتقریر نہیں کرتے تھے وَاَنۡزَلَ مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ (2:213) انہیں ضابطہ قانون دیا جاتا تھا جو حق پر مبنی ہوتا تھا۔ حکومتیں وہ بھی ہوتی ہیں جن میں انسانوں کا وضع کردہ قانون جاری ہوتا ہے۔ لیکن اس حکومت میں وہ قانون رائج ہوتا تھا جو حق پر مبنی ہوتا تھا۔ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ فِيۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ ؕ وَمَا اخۡتَلَفَ فِيۡهِ (2:213) وہ کتاب لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خود قانون سازی کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ ہمیشہ ہر حکومت میں اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قوانین انبیاء کرامؑ نے جاری فرمائے۔

سورۃ الحدید میں ارشادِ عالی ہے لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَيِّنٰتِ وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡمِيۡزَانَ لِيَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ ۚ (57:25) ہم نے اپنے رسول نشانیاں دے کر بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو اتاری تاکہ لوگ سیدھے انصاف پر رہیں۔ اس آیت میں بھی وہی بات دہرائی گئی ہے کہ انسانوں کے درمیان اختلافی معاملات کا فیصلہ نبی کی کتاب کے ذریعے ہوتا تھا، اور انسان خود قانون وضع نہیں کرتے تھے۔

سورہ مائدہ میں ارشاد ہے۔ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا (5:44) ترجمہ: بے شک ہم نے تورات اتاری جس میں ہدایت اور روشنی ہے اسی کے مطابق خدا کے فرمانبردار انبیاءؑ

ربانی علماء وفقہاء یہود کے معاملات کے فیصلے کرتے تھے۔ اس مقام پر تورات کی منزلت اور رفعت شان بیان کی گئی ہے کہ اس تورات کے سچے اور مخلص حاملین کی یہ روش رہی ہے کہ اللہ کے فرمانبردار نبی اس کے قوانین واحکام کے مطابق معاملات اور مقدمات کے فیصلے کرتے رہے تھے۔ اس آیت میں جو یَحۡکُمُ کا لفظ آیا ہے اس سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ کتاب اللہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ زندگی کے معاملات اور تنازعات میں امر وحکم اور فیصلہ وقضا کا ذریعہ بنے اور تمام سیاسی وقانونی معاملات اس کے احکامات کے مطابق طے پائیں لیکن اگر اس کتاب کے مطابق زندگی کے مسائل کا فیصلہ نہ ہو، تو نہ صرف یہ کہ اس کتاب کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا بلکہ اگر اس کے احکام کے خلاف احکام بنائے جائیں تو یہ اللہ کی کتاب کے ساتھ مذاق ہے اور اس کی بے حد بے عزتی ہے۔

جس طرح تمام سابقہ انبیاء کرامؑ کو قانون سازی کا حق نہیں تھا اور وہ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ اسی طرح حضور ﷺ کو بھی قانون سازی کی اجازت نہیں تھی اور آپ کو بھی یہی حکم ہوا کہ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ (5:48) ترجمہ: جو اللہ نے اتارا ہے تو آپ بھی اس کے مطابق فیصلہ کریں۔ حضور ﷺ کو یہی حکم دوبارہ دیا گیا کہ وَاَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ (5:49) ترجمہ: ما انزل اللہ کے مطابق فیصلے کرو اور ان کی خواہشات پر نہ چلو۔ خود حضور ﷺ کا اپنا قول گرامی تھا مَا یَکُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَہٗ مِنۡ تِلۡقَآیِ نَفۡسِیۡ ۚ (10:15) ترجمہ: میرا یہ کام نہیں کہ اس (قانون) کو اپنی طرف سے بدل دوں۔

ہم نے یہ پانچ آیاتِ کریمات یہ بات ثابت کرنے کے لئے تحریر کی ہیں کہ قرآنِ کریم انسانوں کو حتی کہ خود رسولوں کو بمع حضور ﷺ کے قانون سازی کی اجازت نہیں دیتا لیکن یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ آخر وہ کیا وجہ ہے کہ عقل انسانی خیر وشر میں امتیاز نہیں کرسکتی قرآنِ کریم نے یہ ایک چیلنج دیا ہے اور اس کا یہ چیلنج برقرار ہے ارشاد ہوتا ہے۔ وَعَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَہُوۡا شَیۡئًا وَّہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ۚ وَعَسٰۤی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡئًا وَّہُوَ شَرٌّ لَّکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۱۶﴾ (2:216) ترجمہ: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اسی میں تمہاری بھلائی ہو، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم جس چیز کو پسند کرتے ہو، اس میں تمہاری برائی ہو اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو قانون سازی کا حق کیوں نہیں دیا اس کی دوسری وجہ سورۂ مائدہ میں بیان فرمائی گئی ہے وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۴۴﴾ (5:44) ترجمہ: جو ما انزل اللہ کے مطابق فیصلے نہ کرے وہ کافر ہے۔ اس سے اگلی آیات میں انہیں ظالم اور فاسق کہا گیا ہے۔ قرآنِ کریم کے مطابق انسانوں کے وضع کردہ قوانین کفر، ظلم، اور فسق پر مبنی ہوتے ہیں جب بھی کوئی انسان کوئی قانون بناتا ہے اس میں کفر، ظلم اور فسق پایا جاتا ہے۔ محترم المقام جناب مولانا مودودی مرحوم نے ان آیات کی عقلی توجیہہ کی ہے جو بہت عمدہ ہے۔ آپ اس توجیہہ کو ملاحظہ فرمائیں۔ یہ اقتباس ذرا لمبا ہے ہم اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔ لیکن بہت توجہ کے قابل ہے۔

''یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے حق میں جو خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں تین حکم ثابت کئے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کافر ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ ظالم ہیں۔ تیسرے یہ کہ وہ فاسق ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو انسان خدا کے حکم اور اس کے نازل کردہ قانون کو چھوڑ کر اپنے یا دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر فیصلہ کرتا ہے۔ وہ دراصل تین بڑے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اوّلاً اس کا یہ فعل حکم خداوندی کے انکار کا ہم معنی ہے اور یہ کفر ہے۔ ثانیاً اس کا یہ فعل عدل وانصاف کے خلاف ہے کیونکہ ٹھیک ٹھیک عدل کے مطابق جو حکم ہوسکتا تھا وہ تو خدا نے دے دیا تھا۔ اس نے جب خدا کے حکم سے ہٹ کر فیصلہ کیا تو ظلم کیا۔ تیسرے یہ کہ بندہ ہونے کے باوجود جب اس نے اپنے مالک کے قانون سے منحرف ہوکر اپنا یا کسی دوسرے کا قانون نافذ کیا تو درحقیقت بندگی کے دائرے سے باہر قدم نکالا، اور یہی فسق ہے۔ یہ کفر اور ظلم، اور فسق اپنی نوعیت کے اعتبار سے لازماً انحراف از حکم خداوندی کی عین حقیقت میں داخل ہوگیا۔''

قرآنِ کریم انسانوں کے وضع کردہ قوانین کو سند نہیں کرتا وہ اس قانون کو recognize ہی نہیں کرتا۔ جب وہ حکم دیتا ہے کہ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ (5:8) تو اس سے اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کے مطابق عدل کیا جائے۔ قرآنِ کریم ایسی حکومت کے قیام کو ہر شخص پر فرض قرار دیتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے قوانین کے مطابق عدل کیا جائے۔ قرآنِ کریم کے مطابق نہ صرف اقامت دین فرض ہے بلکہ غیر اسلامی نظام میں زندگی بسر کرنا جرم ہے (6:123)

ہمارا ایک مضمون موقر رسالہ طلوع اسلام میں طبع ہوا تھا ہم نے اقامت دین کی فرضیت کے متعلق اس میں تحریر کیا تھا:

''مومن وہ ہے جو قرآنِ کریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ واحد، مکمل اور آخری ضابطۂ حیات خیال کرے۔ ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ اس دنیا میں نظامِ الٰہی کے قیام کے لیے پوری پوری کوشش کرے۔ وہ جس ملک اور مقام میں بھی موجود ہو۔ وہیں اس جدوجہد کو شروع کردے۔ کیونکہ نظامِ الٰہی کسی خاص مقام یا کسی خاص دور سے مختص نہیں اس کی پوری پوری کوشش یہی ہو کہ تمام نظام ہائے باطل کو اکھیڑ کر پھینک دے اور اللہ کی زمین پر صرف اور صرف اللہ کے قانون اور نظام کو جاری کردے۔ اس لئے کہ اسی نظام کی اطاعت اللہ ورسول کی اطاعت ہے اور جو لوگ اللہ ورسول کی اطاعت کرنا چاہتے ہوں اُن کے لیے ازبسکہ ضروری ہے کہ ان کا دیا ہوا نظام جاری کریں جو لوگ اللہ ورسول کے نظام کے علاوہ کسی بھی نظام کے تحت زندگی بسر کرنے پر رضامند ہوں، وہ اللہ ورسول کے باغی اور نافرمان ہیں۔ خواہ وہ کتنے ہی نماز وروزہ کے پابند ہوں غیر اسلامی نظام میں زندگی بسر کرنا جرم ہے (6:23) اور غیر اسلامی نظام میں جس قدر رزق حاصل ہوتا ہے وہ قطعاً حرام ہوتا ہے، اور اس رزق کا ایک ایک لقمہ حرام ہے۔ موقر رسالہ ترجمان القرآن بابت دسمبر 2011ء میں ایک مضمون اقامتِ دین فرض ہے'' طبع ہوا تھا۔ یہ مضمون بہت عمدہ ہے اور اپنے عنوان کی نسبت سے اس درجہ عمدہ ہے کہ آنکھوں کو لگانے کو دل چاہتا ہے۔ اس موضوع پر

اس کے تین اقتباسات پیش خدمت عالی ہیں۔

''اقامتِ دین تمام فقہائے اسلام کے نزدیک متفقہ اور مسلمہ فریضہ ہے۔ اس میں اختلاف اور تفرقہ حرام ہے۔ جس طرح دین کی تبلیغ ہماری ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داریاں ہم نے ازخود نہیں لیں بلکہ ربّ کائنات جس نے ہمیں عدم سے وجود بخشا وہ ہمارا مالک وحقیقی ولی ہے۔ وہی اس کا حق رکھتا ہے کہ وہ انسانی پیدائش کا مقصد بتائے اور اس کے لیے ضابطہ وقانون بتائے۔ اس نے ہمیں انبیاءؑ کا وارث قرار دیا ہے۔ اس نے انبیاءؑ کی بعثت کا مقصد اقامت دین قرار دیا ہے۔ حضور ﷺ کے بعد اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ لہٰذا یہ فریضہ امت مسلمہ کے سپرد کیا گیا ہے۔ اس طرح ازخود اقامتِ دین ہماری زندگی کا مقصد بن جاتا ہے۔ مقصد زندگی قرار دینے کے بعد یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے مقصد زندگی کا صحیح شعور حاصل کریں اور اس کے مطابق اپنے اندر مطلوبہ اخلاق، اوصاف اور استعداد پیدا کریں۔''

2۔ ایسے تمام نصوص قرآنی سے بطورِ اقتضا، اسلامی حکومت کے قیام کی فرضیت ثابت ہوتی ہے اور مسلم معاشرے کے تمام افراد پر اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کرنا بحد استطاعت فرض ہے اور استطاعت کے باوجود اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش نہ کرنا ویسے ہی گناہ ہے جیسے صاحبِ استطاعت مسلمان پر روزہ، نماز، زکوٰۃ، حج، فرض ہے اور ان فرائض کو ترک کرنا عاقبت کو برباد کرنا ہے۔

3۔ حکومت اگر اللہ کے قانون پر مبنی ہے اور اس کا حکم جاری کرتی ہے، تو اس کی اطاعت فرض ہے اور اگر ایسی حکومت نہیں ہے تو اس کی اطاعت جرم ہے۔

ان چار اقتباسات سے آپ کو اقامتِ دین کی فرضیت کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔

سورۃ الانعام میں ارشادِ عالی ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۲۳ (6:123) ترجمہ: اور ہم نے اسی طرح ہر بستی میں گنہگاروں کے سردار کئے کہ فریب کیا کریں اور جو حیلے یہ کرتے ہیں وہ اپنی جان پر کرتے ہیں، لیکن یہ جانتے نہیں۔ قرآنِ کریم قوموں کے تباہ ہونے کا سبب بیان کرتا ہے کہ غیر اسلامی نظام میں زندگی بسر کرنے والا ہر شخص مجرم ہوتا ہے، البتہ ان کے لیڈر ''اکبر المجرمین'' یعنی مجرموں کے سردار ہوتے ہیں۔ قرآنِ کریم ان معاشروں کی قومی اسمبلی، صوبائی اسمبلی کے ممبران وزراء، مشیر سب کو اکابر مجرمین، یعنی مجرموں کا سردار کہتا ہے۔ ان غیر اسلامی معاشروں کے متعلق فرمایا ان کے ہاں ایک تو عام مجرم ہوتے ہیں، ایک اکابر مجرمین ہوتے ہیں یعنی مجرموں کے سرغنے یعنی بڑے بڑے مجرم لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ پھر اپنے اعمال مزین بن کر ان کو دکھائی دیتے ہیں۔ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ (6:122) وہ اس سے نکلنا نہیں چاہتے۔ اگر ایک مرتبہ وزیر یا وزیر اعظم بن گئے تو اس کرسی کو چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے۔

اسلامی مملکت کا آئین قرآنِ کریم ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کے دور میں یہی آئین تھا اور حضور ﷺ اس آئین کے مطابق

فیصلے فرماتے تھے۔ انسانوں کے بنائے ہوئے آئین غیر اسلامی مملکت میں جاری ہوتے ہیں۔ قرآن کے مطابق انسانوں کے بنائے ہوئے آئین کی ایک ایک شق، اس کا ایک ایک آرٹیکل کفر، ظلم اور فسق پر مبنی ہوتا ہے۔ اس آئین کے متعلق قرآن فرماتا ہے مَّا نَزَّلَ اللّٰہُ بِھَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ (7:71) ترجمہ: اللہ نے اس کے لئے کوئی سند نہیں اتاری۔ ہم خود ہی اپنے نظام بناتے ہیں۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہ ہمارے نزدیک مقدس بن جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ مقدس نہیں ہوتا انسان، انسان سب برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر فوقیت و برتری نہیں ہے۔ ایک انسان کی بنائی ہوئی کوئی چیز دوسرے انسان کے لیے مقدس نہیں ہوسکتی۔ قرآنِ کریم کے نزدیک تقدس کا صرف ایک معیار ہوتا ہے اور وہ ہے مَّا نَزَّلَ اللّٰہُ بِھَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ ۔۔۔ اس کے تقدس کے لیے اللہ نے کوئی سند اتاری ہو۔ قرآنِ کریم نے یہ بات واضح فرمادی کہ کسی چیز کی قدر و منزلت کے پرکھنے کا صحیح معیار وہ سند ہے جو منزل من اللہ ہے۔ ہر شے کو میزانِ خداوندی میں رکھنا ضروری ہے۔ دلیل اور حجت اس آسمان کے نیچے صرف ایک ہی ہے یعنی ما انزل اللہ جو اللہ نے نازل کی۔

غیر اسلامی نظام اور انسانوں کے وضع کردہ آئین اور اس نظام کے اکابرین کی جو اصل حقیقت ہے وہ آپ کے سامنے پیش کردی گئی ہے۔ اس کے بعد اس آئین سے استثناء کے متعلق معلوم کرنا ایک مضحکہ خیز بات ہے۔ ایک نظام ہی باطل ہے۔ دوسرے، معصیت الٰہی پر قائم ہے۔ اس میں استثناء حاصل کرنا بھی باطل ہے۔ حرام کی کمائی کا ایک ایک لقمہ حرام ہوتا ہے۔ البتہ اسلامی آئین یعنی قرآنِ کریم کے مطابق کسی شخص کو قانون سے استثناء حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسلامی مملکت میں سب سے بڑا مرتبہ اور مقام حضور ﷺ کا ہے۔ حضور نے اپنی ذمہ داری کے متعلق فرمایا: اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ۬ؕ (6:50) ترجمہ: میں تو ان ہی احکام کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے ایک اور مقام پر ارشاد عالی ہے اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ۚ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۵﴾ (10:15) میں تو ان ہی احکام کی ہمسری کرتا ہوں جو میری طرف وحی کئے جاتے ہیں، مجھے اندیشہ ہے بڑے دن کے عذاب کا اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں۔

اصل یہ ہے کہ اسلامی مملکت مقصود بالذات نہیں ہوتی اس کے احکامات کی اطاعت سے تزکیہ نفس ہوتا ہے (2:286) صفاتِ خداوندی کا یہ تقاضہ ہے کہ ان پر عمل کیا جائے اور معاشرہ میں ان کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جائے اللہ تعالیٰ ربّ ہے۔ کائنات اور کائنات میں رہنے والے ہر فرد کی ربوبیت کرتا ہے اس کی اس صفت کا یہ تقاضہ ہے کہ اس کی اس صفت کو خوب فروغ دیا جائے۔ اس نے انسان کو پیدا ہی اس لئے کیا کہ اس کی صفات پر عمل کیا جائے۔ اسلامی مملکت کے قیام کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اسلامی مملکت صفاتِ خداوندی کو رائج کرتی ہے۔ اس وقت ہم اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات عالیہ پر صرف ایمان لائے ہوئے ہیں۔ اسلامی مملکت اس کو عملاً جاری کرتی ہے وہ صفات اسلامی مملکت کو چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں۔ اس طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ اس دنیا میں جلوہ گر ہوگیا ہے۔ اور زمیں اللہ تعالیٰ کے نور سے چمکنے لگتی ہے۔ اسلامی مملکت کے حکام کو اللہ تعالیٰ نے حاملین عرش الٰہی کہا ہے۔ خارجی کائنات میں جو وسائط و ذرائع نظم و نسق قائم

رکھتے ہیں اور خدا کے پروگرام کے مطابق سرگرم عمل رہتے ہیں، اُنہیں ملائکہ کہا جاتا ہے لیکن جب انسانی دنیا میں حکومتِ خداوندی قائم ہوتی ہے تو جو لوگ اس حکومت کے قیام واستحکام کے ذمہ دار ہوتے ہیں وہ حاملین عرش الٰہی ہوں گے (32:75)۔

حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ پر فوائد میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم نے تحریر فرمایا ''اس دنیا کا سارا نظام ہی ایسا رکھا گیا ہے کہ بندوں کو خیر وشر کے اکتساب میں مجبورِ محض نہ بنایا جائے۔ اگر صرف خیر کے اختیار پر سب کو مجبور کر دیا جاتا تو تخلیق عالم کی حکمت ومصلحت پوری نہ ہوتی اور حق تعالیٰ کی بہت سی صفات ایسی رہ جاتیں کہ ان کے ظہور کے لیے کوئی محل نہ ملتا مثلاً عفو، غفور، حلیم، منتقم، الشدید، قائم بالقسط، مالک یوم الدین وغیرہ حالانکہ عالم کے پیدا کرنے سے غرض ہی یہ ہے کہ اس کی تمام صفات کا مظاہرہ ہو۔ کوئی مذہب یا کوئی انسان جو خدا کو فاعل مختار مانتا ہے انجام کار اس کے سوا کوئی دوسری غرض نہیں بتا سکتا۔ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ (67:2) مولانا نے یہ بڑی درست بات تحریر فرمائی ہے۔

صفاتِ خداوندی کو عملاً ظہور میں لانے کے لیے اسلامی نظام کا قائم کرنا ہر شخص پر فرض ہے اور اسی سے اس کی پیدائش کا جواز پیدا ہوتا ہے اور اسی طرح ہر انسان صفاتِ خداوندی کو جگہ بہ جگہ موقع بہ موقع ظہور میں لا کر، اس کائنات کو آگے سے آگے لے جاتا ہے، اور اپنی زندگی کا مقصد پورا کرتا ہے۔ اس پورے عمل میں پرستش کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی بلکہ صفاتِ خداوندی پر اجتماعی طور پر عمل کرنے سے یہ کائنات اگلے مرحلہ میں داخل ہو جاتی ہے، جہاں زندگی مزید ترقی کرتی چلی جائے گی۔

دروس القرآن کی نئی جلدیں شائع ہو گئیں

مطالب القرآن فی دروس الفرقان کے سلسلہ کی مزید جلدیں شائع ہو گئی ہیں۔ جس کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

1۔ سورہ آلِ عمران (جلد اوّل)، صفحات: تقریباً 500، قیمت: 500
2۔ سورہ آلِ عمران (جلد دوم)، صفحات: تقریباً 500، قیمت: 500
3۔ سورہ انفال، صفحات: تقریباً 216، قیمت: 250
4۔ سورہ ھود، صفحات: تقریباً 400، قیمت: 400
5۔ سورہ یوسف، صفحات: تقریباً 300، قیمت: 300
6۔ سورہ الرعد، سورہ ابراہیم، سورہ الحجر، صفحات: تقریباً 500، قیمت: 500

ملنے کا پتہ:

ادارہ طلوع اسلام 25 بی گلبرگ 2 لاہور

Phone: 042-35714546, Cell: 0321-4460787

قرآنی پمفلٹس

صحیح قرآنی فکر کو عام لوگوں تک پہنچانے میں قرآنی فکر پر لکھے گئے چھوٹے پمفلٹس نے بھی بہت ہی اہم اور کامیاب کردار ادا کیا ہے۔ احباب اِن پمفلٹس کا خود بھی مطالعہ کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو تقسیم بھی کرتے ہیں اس لئے اِن کی قیمت اصل لاگت سے بہت ہی کم رکھی جاتی ہے۔ جبکہ کچھ صاحب ثروت احباب اِس کمی کو اپنے عطیات سے پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں چونکہ یہ سلسلہ ابھی بھی محدود پیمانے پر جاری ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ اِس سلسلہ کو مزید بہتر کیا جائے لہٰذا صاحب ثروت حضرات سے مزید عطیات کی درخواست کی جاتی ہے کہ وہ قرآنی فکر کے کام میں مزید وسعت پیدا کرنے میں ہماری مدد کریں اور اپنے عطیات ''پمفلٹس فنڈ'' کے لئے بھجوائیں تاکہ پمفلٹس کی طباعت اور دوسروں تک قرآنی فکر کو پہنچانے میں ہم کامیابی حاصل کرسکیں۔

ادارہ طلوع اسلام کی مطبوعات کی کل آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف ہوتی ہے

رقم بذریعہ منی آرڈر۔ بینک ڈرافٹ بنام ادارہ طلوع اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور ارسال فرمائیں۔
بینک اکاؤنٹ نمبر 7-3082 برانچ کوڈ 0465 نیشنل بنک آف پاکستان۔ مین مارکیٹ گلبرگ، لاہور۔

عارف محمود کسانہ، سویڈن
arifkisana@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بچوں کا صفحہ

بول چال کے آداب

حاشر اور صالح دونوں خوشی خوشی گھر آئے' آج دونوں کے انداز ہی بدلے ہوئے تھے۔ وہ بہت جوش و خروش میں تھے اور آتے ہی اپنی امی کو بتانے لگے کہ ہمیں گرمیوں کی چھٹیاں ہوگئی ہیں اب ہم خوب کھیلیں گے اور صبح سویرے اٹھنا بھی نہیں پڑے گا۔ اچھا بھائی تم لوگ جیسے جی چاہے مزے کرو مگر ساتھ پڑھنا بھی ہے امی نے کہا۔ جی امی ہم کھیلیں گے بھی اور پڑھیں گے بھی حاشر بولا۔ صالح اپنی امی سے لپٹ کر کہنے لگا امی جان چھٹیوں میں ماموں جان کے پاس آزاد کشمیر چلتے ہیں وہاں تو موسم بھی بہت اچھا ہوگا یہاں تو بہت سخت گرمی ہے اور آپ نے خود کہا تھا کہ گرمیوں کی چھٹیوں میں ماموں کے پاس آزاد کشمیر جائیں گے۔ اب حاشر بھی بولنے لگا امی وہاں بہت مزا آئے گا مجھے پہاڑ بہت پسند ہیں۔ اونچے اونچے درخت اور خوبصورت نظارے مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ گرمیوں میں تو آبشاروں اور جھیلوں کے پاس پک نک کرنے کا تو مزا ہی اور ہوتا ہے۔ ہم وہاں اپنے ماموں زاد بھائیوں کے ساتھ کھیلیں گے اور حدیقہ کے ساتھ مل کر ہوم ورک بھی کرلیں گے۔ اتنی دیر میں اُن کے ابو بھی کمرے میں داخل ہوئے اور پوچھنے لگے کہ بچے کیوں شور کر رہے ہیں۔ بچے اپنے ماموں کے پاس آزاد کشمیر جانے کی ضد کر رہے ہیں حاشر اور صالح کی امی نے جواب دیا۔ ابو پلیز جانے کا پروگرام بنائیں نا' دونوں زور زور سے کہنے لگے۔ اچھا آؤ آرام سے بات کرتے ہیں۔ ٹھیک ہے میں اپنے دفتر سے ایک ہفتہ کی چھٹی لے لیتا ہوں اور ہم لوگ ہفتہ کے روز چلیں گے۔ یس! حاشر اور صالح دونوں خوشی سے چیخنے لگے۔ ابو حسین کو بھی ساتھ لے جائیں گے۔ ہم تایا ابو سے پوچھ لیں گے حاشر نے کہا۔ اور لائبہ کو بھی' وہ حدیقہ کے ساتھ کھیل کر بہت خوش ہوگی صالح نے زور سے کہا۔ ہاں یہ اچھا رہے گا اُن کے ابو نے کہا۔ اس پر حاشر اور صالح خوشی سے اور شور کرنے لگے۔ اور دونوں نے ایک ساتھ بولنا شروع کر دیا اس پر اُن کے ابو نے کہا بیٹا اِس طرح بات نہیں کرتے بلکہ آرام سے بات کرتے ہیں۔ تم دونوں یہاں میرے پاس بیٹھو میں تمھیں بتاتا ہوں کہ کس طرح گفتگو کرنی چاہیے۔

بچو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں بول چال اور گفتگو کے آداب بھی بتائے ہیں۔ چونکہ یہ اللہ تعالیٰ نے بتائے ہیں اِس لیے اِن پر عمل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ بات کرتے وقت چیخ چیخ کر نہیں بولنا چاہیے اور اپنی آواز کو نیچا رکھنا چاہیے۔ قرآن مجید میں ہے کہ اپنی آواز کو نیچا رکھو۔ سب سے بُری آواز گدھے کی ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ پر ہے کہ نہایت خوبصورت انداز سے، میانہ روی اور اعتدال کے ساتھ باتیں کرو اور ایسی باتیں کرو جو اچھی ہوں۔ یہ ضروری ہے کہ ہر ایک کو اپنی باری پر بولنا چاہیے۔ جب دوسرا بول رہا ہو تو اُس کی بات نہیں کاٹتے بلکہ انتظار کرتے ہیں جب وہ اپنی بات مکمل کرلے تو پھر بولنا

چاہیے۔ جو کوئی بھی آپ سے بات کر رہا ہو تو اُس کی بات نہایت توجہ سے سُننی چاہیے۔ غلط بات نہیں کرنی چاہیے۔ کسی دوسرے کی بات کا مذاق نہیں اُڑانا چاہیے اسی طرح اگر کسی کو بولنے میں کوئی مشکل ہو یا وہ صحیح طرح نہ بول سکے تو اُس پر نہ تو ہنسنا چاہیے اور نہ ہی اُس کی نقل اُتارنی چاہیے۔ یہ بہت بُری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یہ بھی فرمایا ہے کہ مکروفریب، تصنع اور بناوٹ، چال بازی اور فریب کاری کی باتیں نہیں کرنی چاہیے۔ اِسی طرح بے انصافی کی بات کبھی نہ کرو۔ جب بھی بات کرو عدل اور انصاف کی بات کرو۔

ابو جان عدل و انصاف کا کیا مطلب ہے۔ چھوٹے صالح نے پوچھا۔

عدل کا مطلب ہوتا ہے کسی چیز کا دونوں طرف برابر ہونا۔ کمی یا زیادتی کو چھوڑ کر درمیانی راہ اختیار کرنا اور توازن برقرار رکھنا۔ تم نے اُونٹ یا گھوڑے پر بوجھ لدا دیکھا ہوگا۔ اگر اس کے دونوں طرف برابر برابر بوجھ ہو تو سامان بھی ٹھیک رہتا ہے اور جانور بھی آسانی سے چلتا ہے اِسے عدل کہتے ہیں۔ یعنی ایسا بوجھ جس میں دونوں طرفیں بالکل ایک جیسی ہوں، نہ کسی طرف جھکا ہو نہ کسی طرف سے اُوپر اٹھا ہو۔ گفتگو میں عدل کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی بات کرو سچی کرو اور کسی کے ساتھ نہ غلط بات منسوب کرو اور نہ ہی زیادتی کرو۔ یعنی ٹھیک ٹھیک بات کرنا۔ قرآنِ مجید میں ہے کہ سچ کو جھوٹ کے ساتھ خلط ملط مت کرو۔ نہ ہی حق کو چھپاؤ۔ سچ کو کبھی نہ چھپاؤ اور نہ ہی سچ کے ساتھ جھوٹ کو ملا کر بیان کرو کہ جھوٹ بھی سچ لگنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ بھی کہا کہ شائستہ اور مہذب گفتگو کرو۔

ابو جان اِس کا کیا مطلب ہے۔ حاشر نے پوچھا۔

اِس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی زبان بولو جو معاشرہ میں اچھے اور شریف لوگ بولتے ہیں۔ جو اچھی اور سلجھی گفتگو ہو۔ قرآن پاک میں یہ بھی ہے کہ ہمیشہ صاف، واضح اور سیدھی بات کرو۔ یعنی بات ہمیشہ ایسی کرو جو سیدھی اور صاف ہو۔ اُس میں کسی قسم کی اُلجھن نہ ہو کہ سمجھنے والے کو مشکل پیش آئے۔ اور نہ ہی ایسی بات ہو کہ جو ذو معنی ہو یعنی ایسی بات نہ کریں جس سے کئی مطلب نکالے جا سکیں۔ اِس وقت اُس کا مطلب کچھ اور نکالو اور دوسرے وقت میں کچھ اور مطلب نکالو۔ کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی بات کہیں سے اُڑتی ہوئی سنتے ہیں اور اُسے بغیر پرکھے اور تحقیق کئے آگے پھیلانا شروع کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اِس سے سختی سے منع کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ جس بات کا تمہیں یقینی طور پر علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگو۔ یاد رکھو تم سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے خود اپنے کانوں سے ایسا سُنا تھا۔ کیا اپنی آنکھوں سے ایسا دیکھا تھا اور یہ بھی پوچھا جائے گا کہ تم نے سمجھ سوچ کر اس کی تحقیق کر لی تھی اور خود تمہارے اپنے دِل نے تو اس کے اندر کچھ نہیں ملا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی کہا کہ لوگوں کی ٹوہ میں نہ لگے رہو یہ بہت بُری بات ہے۔ ٹوہ کا مطلب ہے کسی دوسرے کی جاسوسی کرتے رہنا۔ قرآن میں یہ بھی ہے کہ جو بھی بُری بات سنو اُس سے دور رہو۔ بچو مجھے امید ہے کہ آپ لوگوں نے میری باتیں غور سے سُنی ہونگی اور آپ اِن پر عمل بھی کرو گے۔ جی ابو جان ہم نے تمام باتیں سمجھ لی ہیں اور ہم اِن کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ حاشر اور صالح دونوں نے سلجھے ہوئے بچوں کی طرح جواب دیا۔ ٹھیک ہے اب تم آزاد کشمیر جانے کی تیاری کرو۔

(مطبوعہ ماہنامہ طلوع اسلام، جولائی 2011ء)

پاکستان میں

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل مقامات پر بذریعہ ویڈیو ٹیپ ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس، فون نمبر، ای میل یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔ رابطہ احمد نواز خان۔ فون: 0992-334699۔ موبائل: 0314-5035285	بروز جمعہ	3 PM
اسلام آباد	مکان نمبر 302۔ اسٹریٹ نمبر 57۔ سیکٹر F-11/4۔ رابطہ ڈاکٹر انعام الحق۔ فون: 051-8357302 Email: dr.inam57@gmail.com		
اوکاڑہ	بر مکان احمد علی، بیت الحمد 180-AB-4، ابوبکر بلاک شادمان کالونی، ایم۔اے جناح روڈ، نزد مبارک مسجد رابطہ میاں احمد علی: 0442-527325، موبائل: 0321-7082673	بروز جمعہ	3 PM
بونیر	حجرہ حفیظ الرحمٰن۔ کس کورونہ۔ طوطالئی۔ ضلع بونیر۔ رابطہ قاسم خان: 0314-9911900 رابطہ حفیظ الرحمٰن: 0314-9508409 - 0313-9471294 Email: hafeez_patriot@hotmail.com	ہر ماہ پہلا اتوار	9 AM
پچ کسی	بر مطب حکیم احمد دین۔ رابطہ ڈاکٹر محمد سلیم قمر۔ تحصیل کبیر والا ضلع خانیوال فون نمبر: 0345-7385320 Email: muhammad_saleem450@yahoo.com	بروز جمعہ	3 PM
پنڈ دادن خان	رابطہ محمد نذیر۔ بمقام وڈاک خانہ روال نزد غریب وال سیمنٹ فیکٹری، تحصیل پنڈ دادن خان ضلع جہلم فون نمبر: 0346-6450130 Email: nazeernaz@hotmail.com	بروز بدھ	بعد نماز عشاء
چوٹی زیریں	بر دوکان لغاری برادرز زرعی سروس، ڈیرہ غازی خان۔ رابطہ: ارشاد احمد لغاری۔ موبائل: 0331-8601520	ہر ماہ پہلا اتوار	12 Noon
چنیوٹ	11/9-W، گوجر چوک (گنبد والی کوٹھی) سیٹلائیٹ ٹاؤن۔ رابطہ: چوہدری ذکمیر خان، فون: 047-6331440، موبائل نمبر: 0321-7704564	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
راولپنڈی	فرسٹ فلور، کمرہ نمبر 114، فیضان پلازہ۔ کمیٹی چوک۔ رابطہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ، موبائل: 0331-5035964 Email: abidhussain3012@hotmail.com	بروز اتوار	9:30 AM
راولپنڈی	بر مکان امجد محمود، مکان نمبر 14/A، گلی نمبر 4، راہ طلوع اسلام، جنجوعہ ٹاؤن، اڈیالہ روڈ، نزد جراہی سٹاپ، راولپنڈی۔ رابطہ: رہائش: 051-5573299، موبائل: 0322-5081985	بروز اتوار	10 AM
سرگودھا	4-B، گلی نمبر 7، بلاک 21، نزد مکی مسجد چاندنی چوک، رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 048-3711233 0306-6730342	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ

سیالکوٹ	معرفت کمپیوٹر سٹی، سٹی ہاؤس، سٹی سٹریٹ، شہاب پورہ روڈ، رابطہ: محمد حنیف 03007158446۔ محمد طاہر بٹ 0300-8611410۔ محمد آصف مغل 0333-8616286۔ سٹی ہاؤس 052-3256700	ہر دوسرے اتوار	5PM
فیصل آباد	رحمان نور سینٹر، فرسٹ فلور، مین ڈگلس پورہ بازار، رابطہ: محمد عقیل حیدر، موبائل: 0313-7645065 Email: bazamfaisalabad@gmail.com	بروز جمعہ	4PM
فیصل آباد	بالمقابل فریدی مسجد قادر آباد چوک غلام محمد آباد، فیصل آباد رابطہ: ہومیو پیتھک ڈاکٹر ایم یونس جاوید، موبائل نمبر 0300-7656804	بروز جمعہ بروز اتوار	4PM 10AM
کراچی صدر	A-446 کوہِ نور الیکٹرونکس سینٹر، عبداللہ ہارون روڈ، رابطہ محمد اقبال۔ فون: 021-35892083، موبائل: 0300-2275702 Email: bazmkhi@hotmail.com	بروز ہفتہ	5:30PM
کراچی لانڈھی	ڈبل اسٹوری نمبر 16، گلشن مارکیٹ، کورنگی نمبر 5، ایریا 36/C، پوسٹ کوڈ 74900 رابطہ: محمد سرور۔ فون نمبرز: 021-35031379-35046409، موبائل: 0321-2272149	بروز اتوار	2PM
کراچی ملیر سٹی	ناج اینڈ ویزڈم سنٹر، سلمان ٹاورز، آفس نمبر A-45، بالمقابل نادرا آفس، ملیر سٹی۔ رابطہ: آصف جلیل فون: 021-35421511، موبائل: 0333-2121992، محمود الحسن۔ فون: 021-34179307 Email: asif.jalil1@gmail.com	بروز اتوار	11 AM
لاہور	B-25، گلبرگ 2، (نزد مین مارکیٹ، مسجد روڈ)۔ رابطہ فون نمبر: 042-35714546 Email: idarati@gmail.com 0321-4460787	بروز اتوار	9:30AM
لاڑکانہ	مکان نمبر 1582 پرانا عیدگاہ روڈ نزد قاسمیہ مسجد محلّہ جاڑل شاہ۔ رابطہ سکندر علی عباسی، فون: 074-4042714، اللہ بخش شیخ، موبائل: 0333-7542644	بروز جمعہ	بعد نماز مغرب
منڈی۔۔ بہاؤالدین	رابطہ: ماسٹر خان محمد، (وڈیو کیسٹ) بر مکان ماسٹر خان محمد گلی نمبر 1، محلّہ صوفی پورہ۔ موبائل نمبر: 0334-4907242 فون نمبر: 0456-520969	بروز جمعہ	10 AM
نواں کلی، صوابی	اسرار اللہ خاں c/o جوہر علی شاہ۔ محلّہ خود خیل کرنل شیر کلی۔ تحصیل رزڑ۔ ضلع صوابی۔ فون: 0336-9770807, 0301-8344296 Email: israrullah901@gmail.com	بروز اتوار	10 AM
صوابی	گاؤں وڈاکخانہ چار باغ تحصیل وضلع صوابی رابطہ: عمر فاروق موبائل: 0343-8981935		
مینگورہ۔ سوات	رابطہ۔ خورشید انور، معرفت طارق آٹپیکو۔ خالد پلازہ حاجی شمس الحق۔ نشاط چوک۔ مینگورہ ضلع سوات فون: 0315-9317755 Email: khurshaidanwar@yahoo.com	ہر ماہ پہلے جمعہ کو	2PM
علی گرام۔ سوات	علی گرام۔ تحصیل کبل ضلع سوات۔ رابطہ محمد ظاہر شاہ خان۔ فون: 0346-9467559 حجرہ عظیم خان۔ فون: 0341-4342200	ہر اتوار	8:30AM
فتح پور۔ سوات	فتح پور، سوات، رابطہ: خورشید انور، فون: 0946-840800 موبائل: 0315-9317755 امیر زیب خان۔ موبائل: 0344-9893235	ہر اتوار	3PM

***Manzil ba Manzil* (منزل بہ منزل)**

Chapter 3: Spring's Message (*Payam-e Fasl-e Bahar* پیام فصل بہار) –

Message to Fellow-Ambassadors

(Tulu-e-Islam Convention, November, 1959)

By G. A. Parwez (Translated by: M. Alam)

Episode No. 4

First of all, proper education and training is started for children in Islamic state. Then an environment is facilitated in which people unconsciously learn to respect the laws. And a condition is created so that people do not have to resort to wrong means to achieve their right goals. Rather, let us say that, in this state, one doesn't have to achieve one's just goals by resorting to unjust means. For example, let us take Quran's economic system in which the fulfilment of the basic needs of people rests with the Islamic state; and no one can hoard one's surplus wealth. So, if that is the case, then where is the need or possibility for someone using wrong means to fulfil one's needs? It was not for greed or for conquering territory that Prophet (PBUH) established the divine state; but because it was impossible to live life of Islam without collective life. So much so that the first group of believers (*Momineen*) who were striving for the Islamic state – they were not leading individual but collective life. Therefore, without a system of collective life (i.e., without Islamic state) advising people to live a pious life is the teaching of mysticism, not of Islam. Please remember! دین (*Deen*) is the symbiotic and seamless combination of ethics and politics. When دین (*Deen*) becomes separated from politics then دین (*Deen*) becomes religion or مذہب (*Mazhab*); and politics becomes Genghis-ism. After our first period of Islam this is what happened. The Islamic state was changed into ملوکیہ (*Mulukiyyah*) and the collective life دین (*Deen*) was taken over by individual life of مذہب (*Mazhab*).

The meaning of being attached to collective life

The Islamic life in دین (*Deen*) was to remain attached to جماعت (or collective) way of life. This meant that without the divine state, or in other words, without the Quranic society, Islamic life cannot be led. The religion or مذہب (*Mazhab*) kept the words جماعت (*Jama'at* or collective or togetherness) and تمسّک (*Tamassuk* or attachment) of the دین (*Deen*); but it changed their meanings to: being attached to the collective regular five daily prayers or صلاتہ (*Salaat*). So, if one does this then one is considered to have fulfilled the requirement of – being attached to جماعت – in the eyes of مذہب (*Mazhab*) although, in دین (*Deen*), صلاتہ (*Salaat*) was to lead life collectively in accordance with divine laws; and the regular prayers were its outward expression in miniature form.

With the aforementioned explanations, this reality should be obvious to you

by now that: saying that if people start leading their lives according to Islamic way then the state would automatically become Islamic – is like putting the horse before the cart. Well, the state has to be Islamic first and only then the people will become able to lead their lives according to the Islamic way, not the other way around. It is the duty of the state: وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ (3:104) – To establish this system so that it could enjoin what it is right and forbid what is wrong. If people could this individually then what is the need of the state? In Islam, the دین (*Deen*); the جماعت (*Jama'at* or collective or togetherness); the Islamic society; the Islamic system; or the Quranic state – all these are different names of the same reality.

Intense energy, intoxicated love, collective passion;
That also can be interpreted as the season of spring!

***

Religious sects and constitution-making

My dear friends, I want to say something briefly about an issue in regards to constitution-making. It is mentioned that there are seventy two sects in Islam and every sect's interpretation of Islam is different. How can a constitution be framed under these circumstances? The answer given by the proponents of these sects is that there will be no effect of these sects on Islamic constitution-making. They claim that, well, you can see the proof of this how thirty one religious scholars from different sects got together in 1951 and demanded *collectively* for an Islamic constitution? And, accordingly, a constitution did come about in 1956 about which all the religious scholars agreed that it was Islamic. What can be a better proof than this that Islamic constitution *can* be made despite Islam being divided into multiple sects? This question and its answer are both worth deep pondering.

Sectarianism is شرک (*Shirk*)

1. The first point to note is this: Can Islam and sects exist together? Can a society be called Islamic where sects exist among Muslims? The answer of this question from the Quran is that it is *not* possible; that it will *never* be the case that Muslim sects and Islam exist together. Just as توحید (*Tauheed*) and شرک (*Shirk*) are opposites of each other, the same way sects and Islam are opposite of each other. The Quran demands from all Muslims that: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (3:103) – You, altogether, hold on to the rope of Allah and be not divided into sects. And: وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (3:105) – You must not be like those who fell into factions and created sects and differed amongst themselves after clear guidance had come to them. For them there is

grievous torment.

2. In Surah توبہ (*Taubah*) it is clearly declared by the Quran in regards to the construction of Masjid Al-Dirar: وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًاۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۝ (9:107) – And there are those who constructed for themselves a mosque for causing harm and disbelief and division among the believers and as a station for war against Allah and His Messenger. And they will surely swear, "We intended only the best." But Allah testifies that indeed they are liars.

   Please note that creating division has been called کفر (Kufr); and those involved in this division have been called as کافر (*Kafir* or Disbelievers) and منافق (*Munaafiq* or Hypocrites), and کاذب (*Kazib* or Liars).

3. Creating division in Islam has been called شرک (*Shirk*) as well: وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۝ (30:31-32) – Accordingly, after becoming the upholders of the principle of توحید (*Tauheed*), you should remain extremely careful not to indulge in شرک (*Shirk*). You should not be amongst those who break the unity of their دین (*Deen*) and who instead of remaining one entity, get split into various sects. After people split into sects, every group thinks it is on the path of truth and is therefore content with its own way. Remember getting split into sects or factions amounts to shirk. Never fall prey to it.

My dear friends, due to lack of time I cannot present all the verses of the Quran where division has been called punishment from Allah and sects as have been called opposite of دین (*Deen*). Please keep only these verses in front and think about those who say that nothing happens to Islam in the presence of sects; that despite Muslims being divided into sects, they can remain true and stout Muslims – how great is this transgression from دین (*Deen*); and how open is this treason against Allah? Allah says that sectarianism is punishment; that it is کفر (*Kufr* or Disbelief), that it is شرک (Shirk). But these sectarian scholars proclaim: that, no, sects in Islam are a mercy from Allah; that sectarianism is 100% Islam; that sects are signs of توحید (*Tauheed*) or unity? Please think about it my friends? Is this not clear contradiction of the Quran and open declaration of war against Allah?

The demand of 31 Scholars

These people say that 31 scholars of different sects got together in 1951 and demanded a constitution that would be acceptable to all. Do you know what

that demand was? Well, that demand was:

1. That all the sects of Muslims be officially recognized in the constitution.
2. That in personal matters all sects be constitutionally allowed the freedom to use, interpret, and implement their own sect's version of personal laws.

Personal laws

As regards item 2 I want to say simply: Can any proof be given from the Quran or the Sunnah that allows for distinction between personal laws and non-personal laws? This dualism is the creation of the period of kingship and has nothing to with Islam; but these "scholars" are proclaiming this to be part of Islamic constitution?

After this brief remark, let us come to item 1, i.e., to sectarianism. We have seen that, according to the Quran, sectarianism is کفر (*Kufr* or Disbelief) and شرک (*Shirk*). So, the question is: what the Quran says about how to get rid of sects?

The Quran came to get rid of all differences

Even a little bit of thought would reveal this reality that our present condition is exactly the same as it was of the people of the book (i.e., the Jews and the Christians) at the time when the Quran was being revealed. Their Prophets (Moses (PBUH) and Jesus (PBUH)) had made them Ummah (one community), but, due to intransigence and transgression they created sectarian differences (42:14) among themselves. The Quran came to remove their differences: وَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ۝ (16:64) – And We have sent this Book to you O Prophet (PBUH) so that you may clearly state the matters in which they differ and that it may be a means of guidance and Mercy for those who believe in it. And the Quran tells the Muslims: وَمَا اخۡتَلَفۡتُمۡ فِيۡهِ مِنۡ شَىۡءٍ فَحُكۡمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّىۡ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ ؕ وَاِلَيۡهِ اُنِيۡبُ۝ (42:10) – The proper way to settle your differences is to decide all matters in accordance with Allah's Law (i.e., the Quran) which is the final authority for everyone. This is the law of Allah, Who is the Sustainer of all. I place my trust in Him and I shall always refer to His Laws.

It is clear from this that the fundamental goal of revelation of the Quran was to remove all differences in matters of دین (*Deen*) by making it the touchstone and to make Muslims as one united Ummah.

There is no contradiction in the Quran

At this moment it can be said that it is the claim of all the sects of Islam that their ideology is according to the Quran. If that is the case then how the sectarian differences could be removed by the Quran? This question is

extremely important and the Quran answers this question: اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۝ (4:82) – Do they not reflect upon the Quran? Were it from anyone other than Allah they would have found many inconsistencies therein. Therefore, it is impossible that the Quran would sanction even two different contradictory sectarian ideologies, let alone seventy two. If someone thinks that the Quran approves every ideology among the seventy two different sectarian ideologies, then one is denying that the Quran is from Allah.

But the question remains that what is the practical way to ensure that there do not arise any kind of differences within the Ummah; and, God forbid, if any differences do arise then how to remove them? The practical means by which these differences can be removed are spread throughout the Quran; but one become rapturous when one ponders the way it has been described in Surah Al-e-Imran. We have already seen that creating differences in Ummah has been described by the Quran as کفر (*Kufr* or Disbelief) and شرک (*Shirk*). Now, for the practical means of removing differences, it says: وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ۤ اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝ (3:100-101) – O you who acquired Iman, if you follow some of these people of the book they will turn you into unbelievers. How can you renege on your Iman and return to کفر (*Kufr* or Disbelief)? To remain steadfast in Iman, two things are indispensable: (1) the Book of Allah in its unadulterated form and (2) a living authority to implement it. You have both – the Quran and the Prophet (PBUH). Whoever holds fast to this Order (based upon the Book of Allah implemented by the Prophet (PBUH) and, thereafter, his successors) enters upon the right path.

It is clear from this that to create unity in the Ummah two things are necessary according to the Quran: first the Book of Allah and second the messenger of Allah. In this regard the Quran said to Muslims: فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (4:59) – in case there is any dispute amongst you then refer it to the messenger so that he may tell you what is Allah's guidance to resolve this. On the other hand, it tells the messenger that if people bring any dispute to you then: فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ (5:48) – decide all matters between them according to the Book of Allah. And after that if they continue to create differences between themselves then tell them, O Prophet (PBUH), that you have nothing to do with them: اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِىْ شَىْءٍ ؕ (6:159) – دین (*Deen*) is a way to be followed by a united Ummah. Those who create differences in the دین (*Deen*) and divide themselves into sects, O Prophet, you should have nothing to do with them. They have decided to cut themselves off from your

Ummah; therefore, they are no longer Muslims.

After the Prophet (PBUH)

This was the practical method of creating unity in the Ummah: the decision of the Prophet (PBUH) rendered in the light of the Quran in matters of mutual dispute. The question will now arise here that, after all, the Prophet (PBUH) was a human being and he was not going to live forever. So, does it mean that this unity of the Ummah was limited only to his life? What about after him? The Quran says that this was not limited to Prophet's life; that it will continue after him: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ۝ (3:144) – Take note that the system based on eternal principles is not shaken by the death of an individual, no matter how important his position may be. This principle applies even to as great a personality as Muhammad (PBUH). He is no more than a messenger from Allah. Messengers before him have passed away. If he dies or is slain, will you then turn on your heels thinking that the system is finished? Whosoever does so will not harm Allah in anyway? Allah will reward those who remain steadfast out of their conviction that the system does not depend upon personalities and will continue as long as the Book of Allah is followed. This will continue through his successor selected by the consent of the Ummah; and whatever duty the Prophet (PBUH) was discharging as the head of the Ummah, his successors will continue to discharge that responsibility. And thus this system will continue after him through his successors who will decide all matters in the light of the Quran. And this way this system of – تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ – (the Book of Allah in its unadulterated form and a living authority to implement it) – will continue. That is the reason during period of Khalfa Abu Bakr (R) when one group differed in the matter Zakah and did not listen even after persuasion, a jihad was carried out against them to maintain the unity of the Ummah. If there was no authoritative successor of the Prophet (PBUH) at that time then the Ummah would have split into sects.

What happened next

The unity of Ummah remained until – وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ – (true living successor authority of the messenger) – remained. But when kingship came into Muslims then rulers kept the political power to themselves and gave the personal matters (e.g., matters related marriage, divorce, etc.) to religious priesthood. Those who differed in matters of state were declared traitors and killed, so no one could challenge the rulers. The religion was like an orphan; so anyone could differ and create a new sect. The verse: وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ (How can you renege on your Iman and return to کفر (*Kufr* or Disbelief) when the Book of Allah and a living authority to implement it is with you) – was

there; but now its meaning was changed. The meaning of – تُتْلٰی عَلَیْکُمْ اٰیٰتُ اللّٰہِ – became reciting the verses of Allah. As for – وَفِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ ؕ – it was decided to collect narrations of the Prophet (PBUH) and practice them individually on one's own. The necessary consequence of this was that different sects came into existence. This is what has come down to us in the name Islam; and the religious sectarian priesthood thinks that this is 100% Islam. And now, if anyone tells that this is not the meaning of وَفِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ ؕ ; but it is that a live successor authority of the Prophet (PBUH) has to be there in the Ummah – who would establish the system of دین (*Deen*) as the central authority – then a cry erupts that this is corruption in دین (*Deen*). But this outcry is not strange. When a nation abandons thinking and reason, then it does not have any rational proof for its position except to cry. (Children use this weapon very effectively to achieve what they want.)

Reviving successor authority in the footsteps of the messenger

Anyway, with aforementioned explanations the fact is clear that there is only one way to remove differences according to the Quran, and that is: that a living central authority be present which decides every difference related to Ummah according to the Book of Allah; and those who persist in creating the difference, it expels them from the Ummah. Therefore, the task before the Ummah is to renew the successor authority of the Prophet (PBUH) again that was disrupted after the rightly-guided Khalifas. This will be called the revival of the successor authority in the footsteps of the Prophet (PBUH), or the establishment of the Islamic state. The work before this state should be to analyze everything that has come down in the name of the دین (*Deen*) in the light of the Quran; keep whatever is according to the Quran and discard everything which is against it; and thus, step by step, create the unity of the Ummah that was present at the time of the Prophet (PBUH). This, my dear friends, is the answer to the question: how to create an Islamic constitution in the presence of sects; and whether or not the existence of sects impacts Islam. At this point it should be made clear that whatever the Quran has said about sects, the same applies to political parties. In دین (*Deen*), religion and politics are not different departments of life. Division in Ummah is against Islam regardless of whether it is in the form of religious sects or political parties. There cannot be two parties of any kind in Islam.

***

Quran and Sunnah

Now, I want to present one additional point: when the matter of creating a constitution of Pakistan was being discussed, Tulu-e-Islam suggested that there should be an article in it declaring that no law should be implemented in

Sunnah; and that instead, there should be *this* article in the constitution: that no laws should be made against the Quran *and* Sunnah in Pakistan. I want to elucidate this *difference* "Quran vs. Quran *and* Sunnah" because this question will come up again in the framing of the new constitution.

If someone presents a Quranic verse regarding any matter then no Muslim in the entire world, no matter which sect he belongs to, will say that this is not a verse of the Quran. In contrast, regarding the position of hadith, please listen from those who are not deniers of hadith but who consider hadith as authority in the دین (*Deen*). The magazine *Al-Mimber* in regard to the framing of Islamic constitution, in the presence of different Muslim selects, writes in its 17-24 March 1957 issue:

> Although all Muslim groups consider Prophetic hadith as authority in دین (*Deen*) and they accept no one's authority except the Prophet's; the difference comes among them as to whether or not the attribution of a hadith to the Prophet (PBUH) is true.

That is, if someone presents a hadith in certain matter then the first question would be to determine whether or not that hadith is *actually* from the Prophet (PBUH)? These scholars do not think this question is important, although, a little thought would reveal that, in matters of دین (*Deen*), nothing can be more important than this issue. What can be more important than to determine whether or not something that is claimed to be from the Prophet (PBUH) is actually from him? This, in fact, is the main root-cause of sectarian differences in the Ummah. These people say that the interpretation of the Quran has to be done in light of hadith. But the position of hadith is that there is not only difference in the meaning and interpretation of hadith from one sect to another but that the central question of any hadith remains as to whether or not that hadith is really from the Prophet (PBUH)? If the 31 scholars who had gathered together in 1951 would have told that: okay, here is a book of hadith on which we all agree that whatever is written in this book is the Sunnah of the Prophet (PBUH), then that book could have been mentioned along with Quran in the constitution. But they did not do this then, nor they will do this now, nor can they do this ever, until the end of the world? Therefore, to make hadith as the basis of the constitution whose position is as unsound as outlined above – then if it is not deliberately trying to make the constitution un-implementable in practice, then what it is? Please remember! Only that Islamic constitution will be implementable in practice in which it is unequivocally written that the principle authority to decide matters of state will solely be the Book of Allah; and any and all matters that are besides this Book would be decided by the state through consultation as whether they right or wrong in the light of the Book of

Allah itself.

***

An advice

This, my friends, is the position of Islamic constitution and the Islamic state according to my understanding. I do not say to anyone to accept my explanation without research and investigation. I request that the state officials should appoint a commission comprising of people who could be trusted with knowledge of the دین (*Deen*) and who do not belong to any religious sect. This commission should analyze all issues in the light of the Quran and should determine unambiguously: as to what *is* Islamic ideology; what are the distinguishing features of Islamic constitution; and what is the goal and mission of Islamic state? Not to reach a conclusive decision collectively on such extremely important issues without proper discussions, and making them topic for just individual debate and argument is not only waste of time, money, and energy; but a cause of such a mental chaos that its only result will be nothing but national depression. Whatever has been happening for the last nine to ten years has only resulted in extreme depression and hopelessness for the nation? If the nation becomes a victim of this situation again then you can very well imagine how harmful the result will be?

***

My dear friends, I realize that I have taken your considerable time. But I don't regret it because these questions are so important and the crossroad at which we are standing so critical that if we show even a little bit carelessness then who knows where we would end up as a nation?

In the way of love even a little carelessness is momentous;
The eye of the lover blinked, and the beloved disappeared!

An extreme danger

In our history this is the first time that a state has decided that its constitution will be framed on Islamic lines. Our first attempt at constitution-making revealed that although we decided to frame an Islamic constitution, but no one knew what is called Islamic constitution and what is Islamic state? That period somehow ended at long last. But the same questions have reappeared. My impression of the present officials is that their intentions are right, but their weakness is that the correct concept of Islamic constitution is not in front of them. They correctly think though that with the Islam presented by our orthodoxy we cannot move even one step forward in the world. I am afraid that being fed up with this endless cycle of going nowhere with the orthodox Islam, they might give up the idea of framing the Islamic constitution altogether.

After spending all life, I didn't know to live, how?
O Life! Leave me alone, I am fed up with life, now?

And, in frustration, these officials might tell these custodians of religion: *You* manage the personal laws and *we* will manage the affairs of the state like other secular states. If God forbid, this were to happen then not only the chances of Islamic renaissance will vanish in Pakistan but other Islamic states will abandon their efforts in this direction. These states are intensely watching this experiment of Islamic constitution-making in Pakistan. I came to know about this while serving as a member of the law commission. Many intellectuals of these states told me that they want to see how the results come out in this important work in Pakistan. Our first experience in this direction was not very encouraging. If we repeat the same mistakes again then you can imagine what effect it will have on other Muslim states; and what conclusions non-Muslim states will derive about Islam. Beyond this, I want to especially ask you, my friends – as you are in agreement with the mission of Tolu-e-Islam – what would happen to *you* if this experiment failed? You are living with the beautiful dream of realizing the verities of original Islam in this non-Quranic society thinking that:

The long dark night will vanish with the morning Sun;
The world will be adorned with the song of Tahuheed!

But if the morning is delayed because of your negligence and lack of courage then how shocking this will be for you:

O who you are up in the dark night of separation?
What would you do if the morning didn't happen?

Our responsibility

Therefore, please think what a great responsibility lies on your shoulders? But this responsibility does not demand any great sacrifice on your part. Its only demand is that you convey the Quranic concept of Islamic constitution to as many people as possible. Don't worry about your lack of resources. The truth of your claim, the sincerity of your intention, the strength of your determination, and the effectiveness of your action – all these will compensate for your lack of physical resources. The cosmic forces of Allah need just a little friendly push from you. Harmonize your efforts with these forces and you will be amazed to see how miraculous the results are. O my fellow travelers! Move forward. Time is anxiously waiting for you!

O builder of Haram! Rise and build a new wide-open world!

Islam's open enemies and its ignorant and non-ignorant friends tell you that it is not possible to implement the Quranic system in this day and age. They claim that in the past it did produce grand results but the time has far advanced now. And, they say: this is a spent force which cannot reproduce the grand results as it did before. The sound of this voice is echoing from every quarter, and is creating hopelessness in the hearts of the people. It is your responsibility tell the world that whatever grand results the Quran had produced in the past, it still has the power to produce similar grand results again, now and in the future at any time.

My dear friends, whatever I had to say I have said now. In the end, with all my heart-felt sincerity and deep love, I want to repeat my request that please recognize the demand of the time; and whatever you can do to spread the Quranic thought please do it with all your energy and passion. Who knows maybe with your effort Adam may be able to find the lost paradise for which he is so desperately searching for so long:

Come; let us turn this desert into a lush garden;
The old world is yearning for a new makeover;
For the dust particles suffering under the matrix;
Let us make an eternal paradise under the sky!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts. (2:127)



قارئین متوجہ ہوں

کینیڈا میں مقیم احباب میں سے کسی کو جنوری 1972ء سے دسمبر 2016ء تک کے شمارے مطلوب ہوں تو بلا قیمت دستیاب ہیں۔ صرف ڈاک خرچ اپنے ذمہ لینا ہوگا۔ شام 8 بجے سے 10 بجے تک درج ذیل فون نمبر پر رابطہ کیا جاسکتا ہے۔

ایم رفیق راجہ رابطہ نمبر: 001-613-932-7252

رسالہ نہ ملنے کی صورت میں مندرجہ ذیل نمبرز پر رابطہ کریں شکریہ

Cell: 0321-4460787 Phone: 042-35714546

ENGLISH PAMPHLETS BY IDARA TOLU-E-ISLAM

Are All Religions Alike	Rs.10
How Sects can be Dissolved?	Rs.10
Islamic Ideology	Rs.10
Man & God	Rs.10
Quranic Constitution in an Islamic State	Rs.10
Quranic Permanent Values	Rs.10
What is Islam?	Rs.10
Why Do We Celebrate Eid?	Rs.10
Why Do We Lack Character?	Rs.10
Why is Islam the Only True Deen?	Rs.10
As-Salaat (Gist)	Rs.25
Economics System of the Holy Quran	Rs.25
Family Planning	Rs.25
Human Fundamental Rights	Rs.25
Is Islam a Failure?	Rs.25
Man & War	Rs.25
Rise and Fall of Nation	Rs.25
Story of Pakistan	Rs.25
The Individual or the State	Rs.25
Unity of Faith	Rs.25
Universal Myths	Rs.25
Who are The Ulema?	Rs.25

mankind may lead their lives as guided by this light (6:123).

15. It ordains mankind to think, ponder and do research (47:24).
16. It is easy to get guidance/advice from the *Qur'an*. (54:16) but at the same time it is necessary that the one seeking guidance should keep his mind clear and un-prejudiced (56:79).
17. It is *shirk* to inter-mingle human thoughts/ideas, concepts or beliefs with the contents of the *Qur'an* (42:21).
18. When a person falls prey to personality cult, he turns a deaf ear, closes his eyes and turns away from the Qur'anic guidance (17:46, 39:45, 40:12) so whenever some one presents Qur'anic concept, they even attack him (22:72) and tell other people not to listen to these verses and create noise so that they may prevail (41:26) not only they them-selves keep away from the *Qur'an* but also keep other people away (6:26).
19. There is nothing in the world equivalent to the *Qur'an* (6:94).
20. People wanted *Rasool-Allah* (peace be upon him) to make some changes in the *Qur'an*, but *Allah* told him to say to those people that he could not bring about any changes in the *Qur'an* out of his own liking. Instead he always followed only what was revealed to him. (10:15).
21. The rise of Muslims was based on their adhereence to the injunction of the *Qur'an* (43:43) but when they turned away from its teachings, they fell into degradation. This would be the allegation which *Rasool-Allah* (peace be upon him) would levy against his people before *Allah* (25:30).
22. *Allah*, the Almighty, has taken upon Himself the responsibility of keeping it preserved in all aspects of safety (15:9).

☆☆☆

(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL. 70
ISSUE
4

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546, 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com
Web:www.toluislam.com www.facebook.com/talueislam/

بیادِ اقبالؒ

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات
یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہب مردان خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہب ملا و جمادات و نباتات

(علامہ محمد اقبالؒ)